یا اللہ مدد | حیات النبی ﷺ زندہ باد | شانِ رسالت ﷺ زندہ باد | اصلی کلمہ اسلام: لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ | شانِ صحابہ رضی اللہ عنہم زندہ باد | مقامِ امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ زندہ باد | حق چار یار رضی اللہ عنہم

اکابرین دیوبند، بالخصوص شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ
کے افکار و نظریات کا بے باک ترجمان

مجلہ صفدر

47 جنوری 2015ء — ربیع الاول / ربیع الثانی ۱۴۳۶ھ

بفیضان
مظہر شریعت و طریقت قائد اہل سنت وکیل صحابہ رضی اللہ عنہم
حضرۃ مولانا قاضی مظہر حسین نور اللہ مرقدہ
تلمیذ رشید و خلیفہ مجاز حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ

بیاد
محدثِ عرب و عجم آبروئے دیوبند امام اہل السنۃ والجماعۃ
شیخ الحدیث حضرۃ مولانا محمد سرفراز خان صفدر نور اللہ مرقدہ
تلمیذ رشید حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ، خلیفہ مجاز حضرت مولانا حسین علی رحمہ اللہ

اے علماء کرام! خدا کرے آپ کو اُمت پر ترس آ جائے، یہ اُمت بلال رضی اللہ عنہ جیسوں کے تشدد برداشت کرنے اور صحابہ کی قربانیوں سے بنی ہے، آج اُمت کے عقائد کے سودے ہو رہے ہیں، جس کا جی چاہتا ہے اُمت کو گمراہ کرنے پر تُل جاتا ہے۔

علماء کرام! حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت آپ کے پاس ہے، اُمت کو بچالیں، فتنوں اور اُمت کے درمیان دیوار بن جائیں۔ آپ کی خدمات کا کسی کے پاس بدل نہیں۔

امت کے زعماء! آپ کو نبی کی وراثت عطاء ہوئی، نبی کی تڑپ، نبی کے سجدے، نبی کا امت کی فکر میں رات کو رونا اور دعائیں کرنا یہ سب آپ کو وراثت میں سپرد ہوا۔

مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ امت کی حالت کو آہیں بھرتے تھے اور فرماتے: ہائے! اُمت کو کیا ہوا؟ کہاں ہیں وہ، جنہیں نبی نے وراثت میں امت سپرد کی؟ [رائے ونڈ کے درویش، ص:۱۲]

مظہریہ دار المطالعہ
0312 4612774 0334-4612774
khadim.khan4@yahoo.com

''فتنۂ غامدی نمبر'' کی تیاری......اہل علم توجہ فرمائیں!

''مجلّہ صفدر'' نے بے سروسامانی کے عالم میں محض اللہ رب العزت پر بھروسہ کرتے ہوئے ''فتنۂ غامدی نمبر'' کی اشاعت کا عزم کیا ہے، اِس سلسلہ میں تادم تحریر اٹھائے جانے والے اقدامات کا ایک خاکہ، اِس غرض سے پیش کیا جارہا ہے کہ اپنا مذہبی و دینی فریضہ سمجھتے ہوئے فکر دیو بند سے وابستہ ہر طبقے اور حلقے سے تعلق رکھنے والے اہل علم حضرات اس کارِ خیر میں بھرپور طریقے سے شریک ہوں اور ہمارا ہاتھ بٹائیں۔ کیونکہ فتنۂ غامدی کی حشر سامانیوں کے سامنے سدِ سکندری قائم کرنا اور فحاشی، عریانی، بے دینی اور سلف بیزاری کے اِس بدبودار سیلاب کے آگے بند باندھنا صرف ہمارے ہی نہیں موجودہ پود سمیت آنے والی نسلوں کے ایمان کی حفاظت کے لیے بھی انتہائی ضروری ہے۔ اِس لیے جس قدر ہوسکے اِس فتنے کے سد باب میں ہر ممکن کوشش بروئے کار لائی جائے۔ اللہ رب العزت ہمارا حامی و ناصر ہو!

۱......اِس اشاعت خاص کا فیصلہ ہونے کے بعد سب سے پہلے غامدی مذہب کا دستیاب لٹریچر حاصل کیا گیا۔ غامدی صاحب اور ان کے تلامذہ کی کتب تو ہاتھ آ گئیں۔ اسی طرح اُن کی ویب سائیٹ سے اُن کے رسالے ''اشراق'' کے ۲۰۰۸ء تا ۲۰۱۲ء کے ''اکثر'' شمارے بھی مل گئے، لیکن ۲۰۰۸ء سے پہلے کے تمام اور بعد کے بعض شمارے تاحال نہیں دستیاب ہوسکے۔ البتہ اُن کے حوالہ جات مختلف قابل اعتماد تحریروں میں پائے گئے ہیں۔ اِس سلسلہ میں قارئین سے جو تعاون ممکن ہوسکے، بعد از رابطہ ضرور فرمائیں، ان شاء اللہ ادارہ صفدر تمام اَخراجات ادا کرے گا۔

۲......مختلف حلقوں کی جانب سے ردِّ غامدیت میں اٹھائے گئے اقدامات و کاوشیں جمع کی گئیں۔

۳......دستیاب غامدی لٹریچر کے مطالعہ کے بعد قابل اعتراض امور کی نشاندہی کر کے اُن کے حوالہ جات مع مختصر عبارات مختلف اہل علم کی خدمت میں ارسال کیے گئے۔

۴......اہل علم و قلم سے تحریری و زبانی طور پر اِس اشاعت خاص کے لیے مضامین کی درخواست کی گئی۔ نیز غامدی صاحب کی کتب کے تقریباً ڈیڑھ درجن سیٹ بھی علماء کرام کی خدمت میں ارسال کیے گئے۔

۵......ضعیف العمر اور عدیم الفرصت اَکابر علمائے کرام سے گذارش کی گئی ہے کہ ''غامدی فتنہ'' سے متعلق اپنی ''مختصر آراء'' سے نوازیں۔

۶......اہل علم کی خدمت میں غامدی نظریات پیش کر کے مختصر تبصرے کی درخواست بھی کی جارہی

ہے۔ ''فتنۂ غامدی نمبر'' کا ایک مضمون بعنوان ''غامدی مذہب میری نظر میں!'' انھی تبصروں کے لیے مختص ہے۔

۷......مودودی، چکڑالوی اور دیگر فتنوں سے متعلق بزرگانِ دیوبند کی آراء، ملفوظات، فتاویٰ، مسلکی تصلب کے واقعات اور عوام اہل سنت کو اِن فتنوں سے بچانے کی کاوشوں کا اجمالی تذکرہ مرتب کیا گیا۔

اب تک درجِ حضرات کے مضامین، بحمداللہ تعالیٰ موصول ہوئے:

حضرت مولانا فضل محمد مدظلہم	مولانا مفتی عبدالواحد مدظلہم	مولانا مفتی محمد انور اوکاڑوی مدظلہم
مولانا نور محمد تونسوی مدظلہم	مولانا حبیب الرحمٰن سومرو مدظلہم	مولانا مفتی ابولبابہ شاہ منصور مدظلہم
مولانا مفتی عبدالقدوس ترمذی مدظلہم	مولانا کمال الدین مسترشد مدظلہم	مولانا زبیر احمد صدیقی مدظلہم
مولانا محمد اعجاز مصطفیٰ مدظلہم	مولانا عبدالرحیم چاریاری مدظلہم	مولانا عبدالحمید تونسوی مدظلہم
محترم جناب اعجاز قیصرانی صاحب	مولانا مفتی راشد ڈسکوی	مولانا عبداللہ معتصم
محترم ڈاکٹر خالد جامعی صاحب	مولانا مفتی شعیب احمد	مولانا مفتی عارف محمود
مولانا محمد الیاس گھمن	مولانا مجیب الرحمٰن	مولانا احسن خدامی
مولانا مفتی رب نواز	مولانا محمد مبشر بدر	مولانا اشتیاق احمد
مولانا صفی اللہ	مولانا محمد مصطفیٰ	جناب حافظ عدیل عمران صاحب
مولانا عید محمد	مولانا اشفاق ندیم حنفی	مولانا محبوب احمد

بعض اہل علم وقلم سے مضامین کی تحریری یا زبانی درخواست کے بعد مسلسل رابطہ ہے، جن میں سے کچھ حضرات مضامین مکمل فرما چکے ہیں، فقط ترسیل باقی ہے، کچھ کے مقالات زیرِ تکمیل ہیں۔ جبکہ سب نے یکم جنوری تک ارسال کرنے کا وعدہ فرمایا ہے۔ ایسے حضرات کے اسمائے گرامی درجِ ذیل ہیں:

مولانا منیر احمد منور مدظلہم	مولانا مفتی افتخار احمد	جناب خواجہ ابوالکلام صدیقی
مولانا مفتی محمد یوسف	مولانا مفتی طلحہ جواد	مولانا رضوان عزیز

علاوہ ازیں چند حضرات ایسے ہیں جن سے مسلسل درخواست کی جارہی ہے، وہ اُمید بھی دلا رہے ہیں، اگرچہ وعدہ نہیں فرمایا، لیکن ''بشرط صحت وفرصت'' مضامین لکھنے کی یقین دہانی بہرحال کرائی ہے، ان میں ......مولانا محمد ازہر مدظلہ [ملتان]......مولانا محمد احمد حافظ [کراچی]......مولانا سجاد الحجابی [مردان]......
......اور مولانا عبدالغفار ذہبی......وغیرہم شامل ہیں۔

اشاعت خاص کے لیے موصول ہونے والے مضامین درج ذیل موضوعات پر مشتمل ہیں:

جاوید غامدی کا پس منظر	جاوید غامدی شخصیت وکرادر	اصولِ تفسیر اور غامدی

حجیت حدیث اور غامدی	تصور سنت اور غامدی	اجماعِ امت اور غامدی
مسئلہ تکفیر اور غامدی	اسلام کا تصورِ جہاد اور غامدی	قادیانیت اور غامدیت
ناموس رسالت اور غامدی فکر	عقیدہ حیات عیسیٰ اور غامدی	حدود و تعزیرات اور غامدی
غامدی کی جدت پسندی	جاوید غامدی کی عربی دانی	قرآت قرآن اور غامدی
جاوید غامدی اور عمار ناصر	عقیدہ ظہورِ مہدی اور غامدی	غامدی عقائد ایک نظر میں
فکر غامدی کا عمومی جائزہ	فتنۂ غامدیت کی حشر سامانیاں	ڈاڑھی......ایک اشکال کا جواب
حدیث غزوۂ ہند اور غامدی تحقیق	رجم کی شرعی سزا......اور غامدی	دورِ حاضر کا غلام احمد

محترم قارئین! ۱۵/جنوری تک موصول ہونے والے تمام قابل اشاعت مضامین، حذفِ تکرار و زوائد کے بعد خصوصی اشاعت میں شامل کرنے کی ہر ممکن کوشش کی جائے گی۔ اِن شاء اللہ۔ بروقت موصول ہونے والی اکابر کی آراء اور علماء کرام کے معقول تبصرے بھی ان شاء اللہ شامل اشاعت ہوں گے۔ اِس کے ساتھ ساتھ یہ خیال بھی بہر طور رکھا جائے گا کہ جامعیت کے باوجود اِشاعت خاص کی ضخامت اور قیمت کم سے کم ہو، تاکہ خریدنا اور پڑھنا آسان ہو۔

یہ تو تھی ہماری کاوشوں کی مختصر روئیداد......اب غامدی نظریات کی مختصر فہرست نقل کی جاتی ہے، تمام اہل علم قارئین سے گذارش ہے کہ جلد از جلد ''غامدی مذہب'' پر اپنا تبصرہ تحریر فرما کر درجِ ذیل ذرائع میں جس سے بسہولت ممکن ہو، ارسال فرما دیجیے! لیکن ایک بار پھر واضح کیا جا رہا ہے کہ ۱۵/جنوری کے بعد موصول ہونے والی کوئی بھی تحریر اشاعت خاص میں شامل نہ ہو سکے گی۔ ان شاء اللہ العزیز

بذریعہ ڈاک: مولانا احسن خدامی، مکان نمبر 4، گلی نمبر 82 محمود سٹریٹ، محلّہ سردار پورہ، اچھرہ، لاہور

بذریعہ ای میل: khadim.khan4@yahoo.com

بذریعہ موبائل میسج: 0307-5687800_0334-0312-4612774

نیز گزشتہ شمارے میں بندہ نے اپنے قارئین سے ماہنامہ ''صفدر'' کے متعلق آراء و تجاویز کی گزارش کی تھی، بس یہ عرض کرنا بھول گیا کہ جو حضرات اپنے تاثرات، تجاویز اور مشورے ڈاک یا ای میل کے ذریعے ارسال نہ فرما سکتے ہوں، وہ بذریعہ موبائل میسج بھی ارسال فرما سکتے ہیں۔

غامدی مذہب کے بعض نظریات و خیالات:

۱......عیسیٰ علیہ السلام وفات پا چکے ہیں۔[میزان، علامات قیامت، ص:۱۷۸، طبع مئی ۲۰۱۴]

۲......قیامت کے قریب کوئی مہدی نہیں آئے گا۔[میزان، علامات قیامت، ص:۱۷۷، طبع مئی ۲۰۱۴]

۳......(مرزا غلام احمد قادیانی) غلام احمد پرویز سمیت کوئی بھی کافر نہیں، کسی بھی امتی کو کسی کی تکفیر کا حق نہیں ہے۔
[اشراق، اکتوبر ۲۰۰۸ء، ص: ۶۷......جنوری ۲۰۱۰ء، ص: ۶۳]

۴......حدیث سے دین میں کسی عمل یا عقیدے کا اضافہ بالکل نہیں ہوسکتا۔ [میزان، ص: ۱۵۔۶۱ ۔۲۰۱۴ء]

۵......سنتوں کی کل تعداد صرف ۲۷ / ہے۔ [میزان، ص: ۱۴]

۶......ڈاڑھی سنت اور دین کا حصہ نہیں۔ [مقامات، ص: ۱۳۸، طبع نومبر ۲۰۰۸]

۷......اجماع دین میں بدعت کا اضافہ ہے۔ [اشراق، اکتوبر ۲۰۱۱ء، ص: ۲]

۸......مرتد کی شرعی سزا نبی کریم ﷺ کے زمانے کے ساتھ خاص تھی۔ [اشراق، اگست ۲۰۰۸ء، ص: ۵۹]

۹......رجم اور شراب نوشی کی شرعی سزا حد نہیں۔ [برہان، ص: ۳۵ تا ۱۴۶، طبع فروری ۲۰۰۹ء]

۱۰...... اسلام میں ''فساد فی الارض'' اور ''قتل نفس'' کے علاوہ کسی بھی جرم کی سزا قتل نہیں ہوسکتی۔
[برہان، ص: ۱۴۶، طبع فروری ۲۰۰۹ء]

۱۱......قرآن پاک کی صرف ایک قرآت ہے، باقی قراءتیں عجم کا فتنہ ہیں۔
[میزان، ص: ۳۲، طبع اپریل ۲۰۰۲ء......بحوالہ تحفہ غامدی از مفتی عبدالواحد مدظلہم]

۱۲......فقہاء کی آراء کو اپنے علم وعقل کی روشنی میں پرکھا جائیگا۔ [سوال وجواب، ہٹس ۷۲۷، ۱۹ جون ۲۰۰۹]

۱۳...... ہر آدمی کو اجتہاد کا حق ہے۔ اجتہاد کی اہلیت کی کوئی شرائط متعین نہیں، جو سمجھے کہ اسے تفقہ فی الدین حاصل ہے وہ اجتہاد کرسکتا ہے۔ [سوال وجواب، ہٹس ۶۱۲، تاریخ اشاعت: ۱۰ مارچ ۲۰۰۹ء]

۱۴...... نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے بعد غلبہ دین کی خاطر (اقدامی) جہاد ہمیشہ کے لیے ختم ہے۔
[اشراق، اپریل ۲۰۱۱ء، ص: ۲]

۱۵......تصوف عالم گیر ضلالت اور اسلام سے متوازن ایک الگ دین ہے۔ [برہان، ص: ۱۸۱، طبع ۲۰۰۹ء]

۱۶......حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ باغی اور یزید بہت متحمل مزاج اور عادل بادشاہ تھا۔ واقعۂ کربلا سو فیصد افسانہ ہے۔ [بحوالہ غامدیت کیا ہے؟ از مولانا عبدالرحیم چار یاری]

۱۷......مسلم وغیر مسلم اور مرد وعورت کی گواہی میں فرق نہیں ہے۔ [برہان، ص: ۲۵ تا ۳۴، طبع فروری ۲۰۰۹ء]

۱۸......زکوٰۃ کے نصاب میں ریاست کو تبدیلی کا حق حاصل ہے۔ [اشراق، جون ۲۰۰۸ء، ص: ۷۰]

۱۹...... یہود ونصاریٰ کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا ضروری نہیں، اِس کے بغیر بھی اُن کی بخشش ہوجائے گی۔ [ایضاً]

۲۰......موسیقی فی نفسہ جائز ہے۔ [اشراق، فروری ۲۰۰۸ء، ص: ۶۹]

۲۱......بت پرستی کے لیے بنائی جانے والی تصویر کے علاوہ ہر قسم کی تصویریں جائز ہیں۔
[اشراق، مارچ، ۲۰۰۹ء، ص: ۶۹]

۲۲......بیمہ جائز ہے۔[اشراق، جون ۲۰۱۰ء، ص:۲]

۲۳......یتیم پوتا دادے کی وراثت کا حقدار ہے۔ مرنے والی کی وصیت ایک ثلث تک محدود نہیں۔ وارثوں کے حق میں بھی وصیت درست ہے۔[اشراق، مارچ ۲۰۰۸ء، ص:۶۳......مقامات: ۱۴۰، طبع نومبر ۲۰۰۸]

۲۴......سور کی نجاست صرف گوشت تک محدود ہے۔ اس کے بال، ہڈیوں، کھال وغیرہ سے دیگر فوائد اٹھانا جائز ہے۔ [اشراق، اکتوبر ۱۹۹۸ء، ص:۷۹......بحوالہ: غامدیت کیا ہے؟]

۲۵......سنت صرف دین ابراہیمی کی وہ روایت ہے جس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کی حیثیت سے جاری فرمایا۔ اور یہ قرآن سے مقدم ہے۔ اگر کہیں قرآن کا ٹکراؤ یہود ونصاریٰ کے فکر وعمل سے ہوگا تو قرآن کے بجائے یہود ونصاریٰ کے متواتر عمل کو ترجیح ہوگی۔[میزان، ص:۱۴، طبع ۲۰۱۴ء]

۲۶......عورت مردوں کی امامت کرا سکتی ہے۔[ماہنامہ اشراق، ص ۳۵ تا ۴۶، مئی 2005ء]

۲۷......دوپٹہ ہمارے ہاں مسلمانوں کی تہذیبی روایت ہے اس کے بارہ میں کوئی شرعی حکم نہیں ہے دوپٹے کو اس لحاظ سے پیش کرنا کہ یہ شرعی حکم ہے اس کا کوئی جواز نہیں۔[ماہنامہ اشراق، ص ۴۷، شمارہ مئی 2002ء]

۲۸......مسجد اقصیٰ پر مسلمانوں کا نہیں اس پر صرف یہودیوں کا حق ہے۔[اشراق جولائی ۲۰۰۳ء اور مئی، جون ۲۰۰۴ء]

۲۹......افغانستان اور عراق میں خودکش حملے جائز نہیں ہیں۔[اشراق، ص ۴۱، ۴۲، شمارہ اپریل 2003ء]

۳۰......بغیر نیت، الفاظِ طلاق کہنے سے طلاق واقع نہیں ہوتی۔[اشراق، جون ۲۰۰۸ء، ص:۶۵]

☆......☆......☆......☆

راوی: جناب سردار احمد صاحب، واہنڈو، گوجرانوالہ
تحریر: مولانا حافظ محمد منیر صاحب، کوہلوتارڑ، گوجرانوالہ

مرشد کی تلاش میں......امام اہل سنتؒ کے در پر

محترم جناب سردار احمد صاحب، امام اہل سنت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ کے خاص مریدوں میں سے ہیں۔ گوجرانوالہ کے قریب بستی ''واہنڈو'' میں قیام پذیر ہیں، حضرت امام اہل سنتؒ کے ساتھ والہانہ عقیدت رکھتے ہیں۔ حضرتؒ سے بیعت کا تعلق قائم ہونے کے بعد انھوں نے مسنون زندگی اپنائی، اپنے اکلوتے بیٹے کو حافظِ قرآن بنایا اور اپنی تمام (۶) بچیوں کو عالمات بنایا جو مختلف مقامات پر تدریسی و تبلیغی خدمات سرانجام دے رہی ہیں۔ انھوں نے حضرت امام اہل سنتؒ سے متعلق اپنی یادداشتیں قلمبند کرانے کا سلسلہ شروع کیا ہے۔ ان کے فرزند نسبتی (داماد) مولانا حافظ منیر احمد صاحب یہ یادداشتیں تحریر کررہے ہیں۔ ہم تہہ دل سے ان کے ممنون ہیں کہ انھوں نے اشاعت کے لیے ہمیں ارسال فرمائیں۔ خدا تعالیٰ انھیں حضرت امام اہل سنتؒ کے فیوض عام کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ان کی اس کاوش کو قبول فرمائے۔ آمین......اس مضمون کا سحر الفاظ کی سادگی پر حاوی ہے۔ پہلی قسط حاضر ہے۔ باقی قسطیں جیسے جیسے وصول ہوں گی ان شاء اللہ نذرِ قارئین ہوتی رہیں گی۔ [ادارہ]

یہ تقریباً ۱۹۸۳ کی بات ہے جب کہ میری عمر تقریباً ۲۸ رسال کے لگ بھگ تھی۔ دل میں دینی لگاؤ انتہائی درجے کا تھا۔ میں ایک مختصر فیملی کے ساتھ ''واہنڈو'' نامی گاؤں میں مقیم ہوں۔ اُس وقت اللہ تعالیٰ نے ایک بیٹی سے نوازا تھا۔

کئی سال سے یہ خواہش تھی کہ کسی اللہ والے بزرگ کے ہاتھ پر بیعت کر کے اپنی باطنی وروحانی اصلاح کروں۔ اس وقت ہمارے گاؤں میں ایک بہت بڑے عالم دین مولانا حکیم محمد نذیر رحمۃ اللہ علیہ [فاضل دیوبند] عرصۂ دراز سے دینی و تعلیمی خدمات میں مصروف تھے۔ حضرتؒ مزاج کے انتہائی سخت تھے، لیکن اس ناچیز سے بہت شفقت سے پیش آتے تھے۔ اکثر اوقات بیعت کے موضوع پر ان سے گفتگو ہوتی رہتی تھی۔ ایک دن میں نے عرض کیا کہ: حضرت! مجھے حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ جیسے کسی ولیِ کامل کے بارے میں بتائیں۔ کیونکہ ان کے بارے میں مَیں نے سنا ہوا تھا کہ اِس وقت اُن جیسا متقی آدمی شاید ہی کوئی ہو۔ میرے دل میں ایسے مرشد کے ہاتھ پر بیعت کا شوق روز بروز بڑھنے لگا۔

مولانا حکیم نذیر احمد صاحبؒ فرمانے لگے: حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ تو دنیا سے رخصت ہو گئے

ہیں۔ اب میری نظر میں شریعت وطریقت کا کوئی جامع ہے تو وہ شیخ الحدیث مولانا محمد سرفراز خان صفدر صاحب ہیں، جو مدرسہ نصرۃ العلوم کے شیخ الحدیث ہیں، گکھڑ میں ان کی رہائش ہے۔ مولانا مرحوم کے مشورہ پر عمل کرتے ہوئے میں نے گکھڑ جانے کا ارادہ کرلیا۔

حضرت امام اہل سنتؒ کی خدمت میں پہلی حاضری:

چند دنوں بعد میں گکھڑ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا، نمازِ عصر کا وقت تھا، میں بھی دوسرے لوگوں کی طرح وضو کر کے مسجد میں بیٹھ گیا اور نماز کا انتظار کرنے لگا۔ اچانک ایک خوبصورت نورانی چہرہ والے بزرگ مسجد میں داخل ہوئے تو میرے دل نے گواہی دی کہ یہی حضرت شیخ ہیں۔ کیونکہ یہ میری پہلی ملاقات تھی، اس لیے میں حضرت شیخ کے چہرہ مبارک سے ناآشنا تھا۔ لوگ اٹھ کھڑے ہوئے، حضرتؒ نے نماز پڑھائی، نماز کے بعد لوگ حضرتؒ کے گرد جمع ہوگئے اور گفتگو کرنے لگے۔

تھوڑی دیر بعد حضرتؒ اٹھے تو لوگ بھی آپؒ کے ساتھ ساتھ چلنے لگے، میں بھی ان کے ساتھ آہستہ آہستہ چلنے لگا۔ میری تمنا تھی کہ میں علیحدگی میں حضرت شیخ سے بات کروں۔ بالآخر میں نے عرض کیا کہ: حضرت! میں آپ سے علیحدگی میں بات کرنا چاہتا ہوں۔ اس وقت میں حیران رہ گیا کہ میرے یہ الفاظ سنتے ہی تمام لوگ چند قدم پیچھے ہٹ گئے اور حضرتؒ نے کمال شفقت سے میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا: کہو! کیا کہتے ہو؟ میں نے عرض کیا: ''حضرت! میرا بیعت ہونے کا ارادہ ہے......'' ابھی میں نے اتنا ہی کہا تھا کہ حضرت نے کوئی اشارہ کیا، شاید یہ کہ ''میرے ساتھ آجاؤ!'' لیکن میں سمجھ نہ سکا۔ حضرت شیخ آگے بڑھنے لگے، لوگ پھر حضرتؒ کے ساتھ ہولیے۔ میں نے سمجھا کہ شاید حضرتؒ نے میری بات کی طرف توجہ نہیں دی۔ لیکن پھر حضرتؒ نے مجھے صراحتًا اپنے ساتھ آنے کا کہا۔ وہ اس طرح کہ جب لوگ مسجد سے باہر نکل کر حضرتؒ سے مصافحہ کر کے رخصت ہونے لگے تو میں بھی مصافحہ کے لیے آگے بڑھا، حضرتؒ نے محبت بھرے انداز میں فرمایا: آپ میرے ساتھ آجائیں۔ میں بہت خوش ہوا اور حضرتؒ کے ساتھ حضرتؒ کے گھر چلا گیا۔ حضرتؒ نے مجھے بیٹھک میں بٹھایا اور خود اندر تشریف لے گئے۔ تھوڑی دیر بعد مختلف قسم کی کھانے کی چیزیں چائے کے ساتھ میرے لیے لائی گئیں۔ حضرتؒ بہت زیادہ مہمان نواز تھے، جو بھی حضرتؒ سے ملاقات کے لیے جاتا تو حضرت کمالِ شفقت سے خود اپنے ہاتھوں سے اس کی تواضع فرماتے تھے۔

ابھی میں چائے وغیرہ سے فارغ ہوا ہی تھا کہ حضرتؒ بیٹھک میں تشریف لائے اور نیچے فرش پر بچھی دری پر ہی تشریف فرما ہوئے، میں بھی کرسی سے اتر کر حضرتؒ کے قریب بیٹھ گیا۔ بات چیت شروع ہوئی۔

عجیب فرمائش:

جب میں اپنے گاؤں واہنڈو سے چلا تھا تو سوچ کے گیا تھا کہ حضرت سے عرض کروں گا کہ مجھے کوئی ایسا بزرگ یا عالم دین بتائیں جو حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ کے ہم پلہ ہو، تاکہ میں ان کے ہاتھ پر بیعت کروں۔ میں نے اسی طرح عرض کر دیا کہ: حضرت! مجھے حضرت لاہوریؒ جیسے عالم کا بتائیں۔ یہ سن کر حضرتؒ خاموش ہوگئے۔ تقریبا دو منٹ مراقبے کی کیفیت میں رہے، پھر ارشاد فرمایا: ''بیٹا! میری معلومات کے مطابق اس وقت پوری روئے زمین پر حضرت لاہوریؒ جیسا متقی آدمی موجود نہیں ہے۔''

چند لمحے ہی گزرے تھے کہ حضرت شیخ رحمہ اللہ نے بڑی محبت اور شفقت سے فرمایا: بیٹا! آپ میرے ہاتھ پر بیعت کرلیں۔ (حالانکہ حضرتؒ نے کبھی کسی کو اپنے ہاتھ پر بیعت ہونے کے لیے نہیں فرمایا۔) لیکن چونکہ اس وقت تک میں حضرت شیخ رحمہ اللہ کے علمی و روحانی مرتبہ سے واقف نہیں تھا، اس لیے اپنی کم علمی و ناسمجھی کے باعث عرض کیا کہ: حضرت! ابھی تو میں بیعت ہونے کے ارادے سے نہیں آیا۔ جبکہ دل میں یہ عزم تھا کہ حضرت لاہوریؒ جیسا کوئی ملے گا تو بیعت کروں گا ورنہ نہیں۔

اس پر حضرت شیخ رحمہ اللہ نے فرمایا: حضرت لاہوریؒ تو اب ہیں نہیں، تم ایسا کرو ان کے بیٹے حضرت مولانا عبیداللہ انور صاحب سے بیعت ہوجاؤ! لیکن میرا دل مطمئن نہ ہوا۔ پھر حضرتؒ نے فرمایا کہ: خان پور کٹورہ میں ایک بہت بڑے عالم باعمل حضرت مولانا عبداللہ درخواستی صاحب رہتے ہیں، آپ اُن سے بیعت ہوجائیں۔ لیکن میں خاموش رہا۔

واپسی اور تأسف:

تھوڑی دیر کے بعد حضرت شیخ رحمہ اللہ سے اجازت لے کر میں واپس روانہ ہوا۔ دل میں عجیب کیف و مستی اور خوشی کی کیفیت تھی، جب اپنے گاؤں واہنڈو پہنچا تو مولانا حکیم نذیر احمد صاحب کے فرزند مولانا عطاء الرحمٰن صاحب کو خوشی خوشی سارا واقعہ سنا دیا۔ مولانا عطاء الرحمٰن صاحب کئی ماہ حضرت شیخ رحمہ اللہ کی خدمت میں رہ چکے تھے۔ میری بات سن کر کہنے لگے: یہ بات سمجھ نہیں آتی کہ حضرت شیخ نے کیسے تم سے کہہ دیا کہ ''میرے ہاتھ پر بیعت ہوجاؤ!'' حضرت شیخ نے آج تک کسی کو ایسا نہیں فرمایا۔ اور نہ ہی اُن کا یہ مزاج ہے۔ اگر واقعی یہ سچ ہے تو پھر آپ نے بہت بڑی غلطی کی ہے کہ بیعت ہوئے بغیر واپس آگئے ہیں۔ انہوں نے مجھے سمجھایا کہ اس وقت حضرت شیخ کا ثانی کوئی نہیں ہے۔ حضرت شیخ بہت اونچے علمی و روحانی مقام پر فائز ہیں۔ اس وقت مجھے اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ (جاری ہے۔۔۔۔)

مولانا حافظ زاہد حسین رشیدی

رائے ونڈ کے درویش

رائے ونڈ کے سالانہ تبلیغی اجتماع کے پہلے مرحلے [۶ تا۹ نومبر ۲۰۱۴ء] میں حاضری کی توفیق نصیب ہوئی تو دنیا کی نظروں میں سادہ لوح دِکھنے والے رائے ونڈ کے درویشوں کے حسنِ انتظام نے حیران کر دیا۔ ملکی، سیاسی بلکہ بعض مذہبی اداروں اور جماعتوں میں بھی اربابِ اختیار کی نظروں میں ناپسندیدہ لیکن حقیقت حال میں باصلاحیت اور صاحب الرائے افراد کا جو استحصال دکھائی دیتا ہے، تبلیغی جماعت میں ایسا کچھ بھی نہیں ہے۔ یہاں آپ اپنی استعداد، صلاحیتوں اور کارکردگی کی بنیاد پر اپنی خدمات سرانجام دے سکتے ہیں۔ یہاں کھینچا تانی ہے نہ کہنی مار کر اپنی جگہ بنانے کا ماحول۔ حوصلہ افزائی ہے، درگزر اور پیار ہے۔ گاہے دل جوئی اور اشک شوئی۔ اور اکرامِ مسلم کی تو مستقل تلقین کی جاتی ہے۔

قابلِ رشک تو یہ معاملہ بھی ہے کہ اپنے مقامات پر دینی یا دنیوی اعتبار سے جاہ وجلال کی حامل شخصیات یہاں عام چٹائیوں پر بیٹھتی ہیں، ناہموار زمین پر سوتی ہیں، بیت الخلاء جانے کے لیے لائن اور رش کے عمل سے گزرتی ہیں، بلکہ انہیں قدم بقدم اپنی ''میں'' کو قربان کرنا پڑتا ہے۔ خوشی سے کریں تب بھی اور ناخوشی سے کریں تب بھی کہ یہاں ''میں'' دکھانے کا موقع ڈھونڈنا تقریباً سعی لاحاصل ہے۔

اذان وتکبیر میں ذاتِ حق کے اسمِ پاک کی گونجتی صدائیں، لاکھوں پیشانیوں کے کروڑوں اجتماعی سجدے، کروڑوں سجدوں اور رکوعات میں اَربوں بیک وقت **سبحان ربی العظیم**' **سبحان ربی الأعلی** کی سرگوشیاں اُس مبارک، روحانی، ایمانی ماحول میں رب تعالیٰ کی بے پایاں رحمتوں کے نزول اور برکات کے حصول پر یقین کو مستحکم کرتی ہیں۔

بلاشبہ یہ ماحول اُس حدیث مبارکہ کا مصداق ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین پر اللہ کی یاد میں بیٹھنے والوں کو آسمان والوں کے لیے زمین پر چمکتے ستارے قرار دیا۔ یقیناً ایسے ہی زمین کے سینے پر تسبیح وتقدیس میں مشغول بندگانِ خدا پر قدرت فرشتوں کے سامنے فخر فرماتی ہے ؂

یہ رتبہ بلند ملا جسے مل گیا ہر مدعی کے واسطے دار و رَسن کہاں

عام خیال یہ ہے کہ رائے ونڈ والوں کا تصورِ دین بہت محدود ہے اور یہاں محض چھ نمبروں پر ہی اکتفا کیا جاتا ہے۔ لیکن یہ تاثر یکسر غلط ہے، اگرچہ بیان کی حد تک گفتگو کا دائرہ چھ نمبروں کے گرد ہی گھومتا ہے

اور اسی کی تلقین ہے، تاہم اہلِ علم اِن خاص لفظوں کے پابند نہیں جو عام طور پر سنائی دیتے ہیں۔اور تاثیر کے حوالہ سے گہری نظر رکھی جائے تو کوئی شبہ نہیں رہتا کہ اِس محنت کے اثرات عقائد ونظریات، معاشرت، غلبۂ دین، خدمتِ خلق اور اصلاحِ نفس سمیت دیگر شعبۂ ہائے دینیہ پر مرتب ہو رہے ہیں۔

ہمارے خیال میں تبلیغی نقل وحرکت کے نتائج کے تفصیلی تجزیہ کے بعد تبلیغی جماعت کو ''محدود تصورِ دین'' کی حامل جماعت کہنا قرینِ انصاف نہیں۔ہمارے اِس حسنِ ظن کی تائید اکابرینِ جماعت کے اجتماع کے موقع پر ہونے والے بیانات کے بعض اقتباسات سے سمجھی جاسکتی ہے جو ہم نے چند ایک بیانات کے دوران قلمبند کیے، ملاحظہ کیجئے!

مخدوم العلماء حضرت حاجی عبدالوہاب صاحب مدظلہ:

☆......انسان اگر اللہ کے حکامات پر عمل پیرا ہوجائے تو ساری دنیا کا نظام اِس کے ہاتھ میں آجائے۔

☆......اللہ کے حکموں پر جان، مال خرچ کیا جائے تو اُس کی رحمت کے دروازے کھل جاتے ہیں۔

☆......ہم اُمتی ہیں اور اُمتی کا مقصدِ حیات یہ ہے کہ لوگوں کا رخ اللہ کی طرف پھیرا جائے۔

☆......نماز میں دھیان بہت ضروری ہے۔اگر صلوٰۃ الحاجۃ پڑھ لیں اور دھیان نصیب نہ ہو تو ضرورت پوری نہ ہوگی، نماز میں دھیان اللہ کے ذکر سے نصیب ہوگا۔تقسیم سے قبل کسی نے انگریز کے مظالم کے متعلق حضرت مولانا یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے شکایت کی تو آپ نے فرمایا: ''میں نے نماز پڑھ لی ہے، تمہارا کام ہوجائے گا۔'' چنانچہ اُسی دن جرمنی نے برطانیہ پر حملہ کردیا اور اُس کی شکست کا عمل شروع ہوگیا۔

حضرت مولانا احمد لاٹ صاحب مدظلہ [انڈیا] (علماء سے بیان)

آپ حضرات اہلِ علم ہیں، مجھے کچھ کہتے ہوئے ڈر لگتا ہے، تاہم یہ وعظ وارشادات کی مجلس نہیں، آپ لوگوں کا پڑھایا ہوا سبق ہے جس کا مذاکرہ کر رہا ہوں۔

ہم تو نصیحت کرتے ہیں کہ سنی سنائی باتیں مت پھیلاؤ بلکہ تحقیق کرو اور اگر تحقیق نہ کرسکو تو اہلِ علم سے رجوع کرلیا کرو۔اَسلاف کی طرف واپسی میں ہی اَمان اور نجات ہے۔صحابہ کرامؓ، خلفائے راشدین، عشرۂ مبشرہ اور صحابہ کرام کے راستے کو دیکھو اور اُس طرف واپس آجاؤ۔چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **فارتدا علی آثارھما قصصا**، اور حدیث شریف میں ہے: **علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین**. صحابہ کرامؓ کی محنتوں اور مشقتوں سے یہ اُمت بنی ہے، ابوبکرؓ وعمرؓ جیسوں کی بھوک، پیاس اور فاقوں کی بدولت یہ دین پھیلا ہے۔یہ وہ خوش بخت طبقہ ہے جن کی ادارۂ نبوی میں تربیت ہوئی۔صحابہ کرامؓ کا کیا نصیب تھا اور کیا اُن کے مزے تھے کہ بدر میں اللہ کی نصرت میں فرشتے اُترتے دیکھے، اللہ اللہ اُن کی

اہمیت کا عالم یہ تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کے لیے دعا فرمائی: **اللھم إن تھلک ھذہ العصابة لا تعبد فی الأرض.** اے اللہ! اگر آپ نے اس گروہ کو ہلاک کر دیا تو زمین پر کبھی آپ کی عبادت نہ ہوگی۔

بڑوں کی سیرت، بڑوں کی تعلیمات دیکھو! اللہ! کیا لوگ تھے! اکابر کی زندگی رہبر ہے، ہم اُن کے خوشہ چین ہیں۔اے علماء کرام! خدا کرے آپ کو اُمت پر ترس آجائے، یہ اُمت بلالؓ جیسوں کے تشدد برداشت کرنے اور صحابہ کی قربانیوں سے بنی ہے، آج اُمت کے عقائد کے سودے ہو رہے ہیں، جس کا جی چاہتا ہے اُمت کو گمراہ کرنے پر تُل جاتا ہے۔

علماء کرام! حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت آپ کے پاس ہے، اُمت کو بچالیں، فتنوں اور اُمت کے درمیان دیوار بن جائیں۔آپ کی خدمات کا کسی کے پاس بدل نہیں۔

امت کے زعماء! آپ کو نبی کی وراثت عطاء ہوئی، نبی کی تڑپ، نبی کے سجدے، نبی کا امت کی فکر میں رات کو رونا اور دعائیں کرنا یہ سب آپ کو وراثت میں سپرد ہوا۔

مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ امت کی حالت کو آہیں بھرتے تھے اور فرماتے: ہائے! اُمت کو کیا ہوا؟ کہاں ہیں وہ، جنہیں نبی نے وراثت میں امت سپرد کی؟

علماء کرام! اللہ نے آپ کو علم کی دولت عطا فرمائی، یہ بڑا سرمایہ ہے، وہ لوگ سخت دھوکہ میں ہیں جو مال و دولت کو سرمایہ تصور کر کے خود کو سرمایہ دار کہتے ہیں۔ہم سینہ تان کر کہتے ہیں: سرمایہ آپ کے پاس ہے، علوم نبویہ کا خزانہ آپ کے سینے میں منتقل ہوا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث آپ کے حصہ میں آئی، کیا اِس سے بڑا کوئی سرمایہ ہے؟ **قل ھل یستوی الذین یعلمون والذین لا یعلمون.** آپ فرمادیں، کیا وہ جنہیں علم دیا گیا اُن لوگوں کے برابر ہیں جو علم کی دولت سے محروم ہیں؟ حرص، حبِّ جاہ، انتقام، گناہ کی نحوست سے بچیں، اِن کا وارثانِ نبوت سے کوئی تعلق نہیں۔

علمائے کرام! آپ کی منت سماجت جماعتوں میں نکلنے کے لیے اِس لیے نہیں کہ آپ حضرات کے علم میں کوئی کمی ہے جو جماعت میں نکل کر پوری ہو جائے گی۔ ’’اللہ کی قسم ایسا نہیں‘‘ بلکہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت آپ کے حوالہ کر رہے ہیں، یہ آپ کی پونجی ہے، آپ اِسے سنبھالیں۔

حضرت مولانا سعد صاحب مدظلہ [انڈیا]:

☆......امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یہ اُمت اس وقت تک سدھر نہیں سکتی جب تک اِس اُمت کے پچھلے وہ کام نہ کریں جو اِس کے پہلوں نے کیا، لہٰذا یقین سے کہا جاسکتا ہے کہ اِس اُمت کی کامیابی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرامؓ کے نقشِ قدم پر چلنے میں ہے۔ یہ اُمت اتنی ہی کامیاب ہوگی جتنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کے طریق پر رہے گی۔ ہدایت اور کامیابی اسی

طریقۂ محنت میں ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کا تھا۔ صرف ایمان کی ابحاث سے ایمان میں ترقی ممکن نہیں جب تک وہ محنت نصیب نہ ہو جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کی زندگیوں میں تھی۔ یقین کے سیکھنے کا وہ طریقہ جو صحابہ کرام کا تھا وہی مطلوب ہے۔ تبلیغی نصاب میں حیاۃ الصحابہ کی شمولیت پر غور کریں! یہ اِس لیے ہے کہ تبلیغ کی محنت جب صحابہ کرامؓ کی سیرت کے موافق ہوگی تب کامیابی ہوگی۔

صحابہ کرامؓ امت کے لیے نمونہ بنے، اُمت کے سامنے خود کو پیش کیا۔ لہٰذا دعوت کے کام میں کامیابی تب ہوگی جب مزاجِ صحابہ کے موافق ہوگی اور ہم خود اُمت کے سامنے پیش ہوں گے۔ قرآن کو سمجھنے کے لیے صحابہ کرامؓ کو سمجھنا ضروری ہے، صحابہؓ کو سمجھے بغیر قرآن کو نہیں سمجھ سکتے۔ صحابہ کرامؓ قرآن کی تفسیر و تفصیل ہیں۔ لہٰذا اُن کو سمجھنا ضروری ہے، صحابہ کرام قیامت تک کے لیے راہ نما ہیں۔

☆......حدیث شریف میں ارشاد ہے: جس شخص کو مسجد میں آتا جاتا دیکھو، اُس کے ایمان کی گواہی دو! چنانچہ فرمایا: **انما یعمر مسجدالله من أمن بالله**۔ بے شک مساجد کی تعمیر وہ کرتے ہیں جو اللہ پر ایمان رکھتے ہیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر معاملہ میں صحابہؓ کا رخ مسجد کی طرف موڑا، صلوۃ الحاجۃ، صلوٰۃ الخوف، صلوٰۃ الکسوف، صلوٰۃ الخسوف وغیرہ پر غور کریں۔

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں: اگر تین کام نہ ہوتے تو دنیا چھوڑ کر اللہ سے جا ملتا۔ (۱) اللہ کے راستے میں پھرنا۔ (۲) علم کی مجالس میں بیٹھنا۔ (۳) علم کی باتیں ایسے حاصل کرنا جیسے کھجوروں میں سے عمدہ کھجوریں چن چن کر تلاش کی جاتی ہیں۔

حضرت مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: ایمان کی تقویت کی جگہ مسجد کا ماحول ہے، خلوت کدوں، بازاروں اور دوسری جگہوں سے نکل کر مسجد میں آنا ضروری ہے۔ ہمارا اَصل مقصد اُمت کو مسجد تک کھینچ لانا ہے۔

☆......نماز کی خاصیت ظاہر ہو کر رہتی ہے، تاہم ضروری ہے کہ نماز میں منکر نہ ہو۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں: جس کی نماز اُسے گناہوں سے نہ روکے، اُس کی نماز اُسے اللہ سے دُور لے جائے گی۔ **إن الحسنات یذھبن السیئات**۔ بے شک نیکیاں گناہوں کو مٹا دیتیں ہیں۔

نماز کا ایسا اہتمام کریں کہ اُس کا حق ادا کر دیں۔ نماز بلکہ تمام عبادات کو ہلکا مت سمجھیں، دعوت کے کام میں لگ کر عبادات سے غفلت استدراج ہے، دھوکا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب کوئی قافلہ روانہ فرماتے تو نصیحت فرماتے: ''دیکھو! دن کے کاموں میں کامیابی تب نصیب ہوگی جب تمہیں رات کا قیام اور تلاوتِ قرآن نصیب ہوگی۔

☆......اتباعِ سنت وہ کشتی نوح ہے کہ جو اِس میں سوار ہو گیا وہ کامیاب ہو گیا اور جو باہر رہ گیا ناکام ہو گیا۔ فرائض، اِسلام میں آنے کے لیے شرائط ہیں، جب کہ اتباعِ سنت سے مسلم اور کافر میں امتیاز ہوتا ہے، سنت کو ہلکا مت سمجھیں۔ صحابہ کرام اور ہم میں فرق یہ ہے کہ وہ سنت پر عمل کرتے تھے، اُس کے سنت ہونے کی وجہ سے۔ جبکہ ہم سنت کو اُس کے سنت ہونے کی وجہ سے چھوڑ دیتے ہیں۔

☆......کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ حکام بدلیں گے تو حالات بدلیں گے۔ یاد رکھیں! حالات کا تعلق اَحکام کے ساتھ ہے حکام کے ساتھ نہیں، حالات تب بدلیں گے جب ہم اَپنے اَعمال بدلیں گے، کیونکہ حالات کا تعلق بدن سے نکلنے والے اَعمال کے ساتھ ہے۔ جب تک ہم کافروں کے اَسباب واَعمال کو نہیں چھوڑیں گے، تب تک اُن کے حق میں ہماری ہدایت کی دعا قبول ہوگی اور نہ تباہی کی بددعا۔ اگر اُن کی ہدایت یا تباہی مطلوب ہے تو پہلے اُن کے طور طریقے چھوڑ دو!

☆......حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے بڑی سنت دعوتِ ایمان ہے۔ اصل محنت انفرادی دعوت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد ہوا: **بلغ ما أنزل اليك من ربك.** پہنچا دیجیے جو آپ کی طرف آپ کے رب کی طرف سے اُتارا گیا۔

داعی طالب ہے اور امت مطلوب، ایک ایک فرد کے پاس جا کر اللہ کی طرف بلانا اَصل ہے، اِس کا متبادل کوئی دوسرا طریق نہیں۔ بیٹھے بٹھائے علم یا روحانیت سے ہدایت نہ پھیلے گی۔ کیا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کسی کو علم یا روحانیت حاصل تھی؟ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اذیتیں اٹھا اٹھا کر ایک ایک فرد کو دعوت دی اور اللہ کی طرف بلایا، لہٰذا وہ محنت مطلوب ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کی۔

☆......دین کے کسی کام کو ہلکا مت سمجھیں، امامت، خطابت، فتویٰ، درس وتدریس دین کے اہم شعبے ہیں۔ اِن کو ہلکا سمجھ کر نکلنے کے لیے اِصرار کرنا محض جہالت ہے۔ دعوت کا کام اِس لیے ہے کہ اُمت علم پر آجائے تو یہ فریضہ مدارس انجام دے رہے ہیں۔

نوٹ :(ا) بیانات کے اقتباسات نقل کرنے میں بعض مقامات پر مشکل الفاظ کی جگہ آسان تعبیر اختیار کی گئی ہے۔ تقدیم وتاخیر اور حذف واضافہ سے بھی کام لیا گیا ہے، تاہم مفہوم ارشادات وہی ہے جو حضرات نے بیان فرمایا۔

(۲) راقم اجتماع سے اختتامی دعا کے بعد پندرہ روزہ تشکیل پر گیارہ (۱۱) احباب پر مشتمل جماعت کے ہمراہ سلانوالی سرگودھا قیام پذیر ہے۔ اِس مبارک سفر کی ایمان افروز روئیداد اور تبلیغی محنت کے بعض پہلوؤں پر تبصرہ آئندہ شمارے میں پیش کیا جائے گا۔ **وما توفیقی إلا باللّٰہ العلی العظیم.**

☆......☆......☆......☆

احمد مفتی

موت وحیات کی کشمکش۔۔

(اندھیروں سے روشنی کی طرف)

حقیقت کیا ہے؟اورحق کسے کہتے ہیں؟ نظریات، دلائل کے مرہون منت ہیں یادلائل کی ساخت و پرداخت کے ذمہ دار؟عقیدہ اورعقیدت ایک ہی چیز کے دونام ہیں یاان کی راہیں جداجدا ہیں؟ کوئی نظریہ درست ہےتو کیوں اورنادرست ہےتو کیسے؟ یہ سوالات نظریاتی اورنظری نوعیت کے حامل ہیں، جن کے جواب میں دورائے اوراختلاف کے امکانات اتنے ہی زیادہ ہیں جتنے یہ سوال خودوسیع ہیں۔ کیونکہ نظری چیزوں میں ہرصاحب نظرکورائے قائم کرنے کاحق ہوتا ہےمگرامورواقعہ ایک ہی حقیقت کے ترجمان ہوتے ہیں۔زیرنظرتحریرنہ تو مناظرانہ کوشش ہے اور نہ بحث مباحثہ کی کوئی شکل۔ بلکہ یہ ایک صاحب واقعہ کے اپنے قلبی اورذہنی تاثرات پرمشتمل اندھیروں سے روشنی کی طرف ایک سفر ہے جس میں نفس مسئلہ کے اعتبار سے کچھ کہنے سننے کی گنجائش ہوسکتی ہے مگر واقعہ کا جھٹلانا ممکن نہیں۔تحریر پڑھیۓ پسندآئےتو قبولیت کی اورناپسندآئےتو مغفرت اورعفوودرگذرکی دعافرمادیجئے۔[احمد]

جیوے جیوے پیربخاری۔۔۔۔نعرۂ تکبیر۔۔۔۔اللہ اکبر۔۔۔۔جمعیت اشاعت التوحید والسنہ ۔۔۔۔زندہ باد۔۔۔۔۔واہ قرآن! کیا کہنے تیرے۔۔۔۔قرآن دااے فیصلہ۔۔۔۔مردے نہیں سندے۔۔۔۔۔قرآن۔۔۔قرآن ہے!!۔۔۔

یہ اوراس جیسے دیگر ملتے جلتے نعروں اور بلندوبانگ دعوؤں میں ہوش کی آنکھ کھلی۔ہمارے حفظ کے مدرسے کے مہتمم نہایت متواضع اورمخلص بزرگ تھے،لیکن ان کی نظریاتی وابستگی اس جماعت کے ساتھ تھی، جس کا اَثر اِدارے اور محلے بلکہ تقریباً پورے شہراورآس پاس کے گاؤں دیہات تک بھی محسوس ہوتا تھا، اورہونابھی چاہیے تھا۔ ہمارے ادارے کی مسجد میں جہاں مہتمم صاحب کی فراخدلی سے دیگرتنظیموں مثلاً سپاہ صحابہ،ختم نبوت،اور پرائیویٹ خطباء کے جلسے ہوتے تھے، وہاں اِسی تناسب بلکہ اِس سے زیادہ مقدار میں ان حضرات کے اسٹیج بھی سجا کرتے تھے۔ ہماری ذہنی حالت اس وقت کیا ہوتی۔ظاہر ہے گیارہ بارہ سال کی عمر،اور یہ سارانظام گویانقش اول تھا

أتـــانـــي هـــواهــــا قبــل أن أعـــرف الهـــوى
فـــصـــادف قـلـبــا خـــالـيــا فتـمـكـنـــا

اس وقت سے میں تیرا پرستارِ حسن ہوں

دل میں مرے شعورِ محبت بھی جب نہ تھا

اِس شعر کے مطابق اِس نظریے پر جس قدر پختگی، اُس دور میں ممکن تھی پیدا ہوگئی اور اپنے تئیں سن سنا کر ہم نے اپنے نظریے کو (جسے تمام امت اور خصوصا علمائے حق، علمائے دیوبند کا نظریہ سمجھتے تھے) کچھ نہ کچھ فلسفوں اور دلائل وقرائن سے مزین ومبرہن بھی کیا ہوا تھا۔ ایک دفعہ کسی صاحب سے بحث ہوئی تو اُسی دور میں ہم نے اُن سے کہا: چار اُصول ہیں: پہلا کتاب اللہ یعنی قرآن۔ اور اس میں ہے ''مردے نہیں سنتے'' بس کافی ہے اور اِس سے آگے کیا؟ اب کوئی حدیث اگر اس کے مخالف آتی ہے تو وہ حدیث صحیح نہیں ہوسکتی۔ بہر طور قرآن کو ترجیح حاصل ہوگی۔ اور ساتھ میں یہ بات بھی ذہن نشین کرائی گئی کہ عقیدہ حیات وسماع یہ بذات خود شرک وبدعت نہ بھی ہو تو شرک وبدعت کا بہت بڑا ذریعہ اور سیڑھی ضرور ہے، چنانچہ اس لحاظ سے بھی پورے اخلاص وتندہی کے ساتھ اسے سینے سے لگائے رکھا اور فکراً وعملاً یہ سمجھتے تھے کہ شرک وبدعت کا مقابلہ ممات کے عقیدے کے بغیر ممکن ہی نہیں کیونکہ حیاتی تو ایک طرح کے خود مشرک ہیں، وہ شرک وبدعت کا کیا مقابلہ کریں گے۔

اسی زمانے میں ایک دفعہ شاہ اسماعیل شہیدؒ کی ''تقویۃ الایمان'' دیکھی، وہاں شرک فی السماع کا باب دیکھا، لپک کر پڑھا شاید کوئی کام کی بات ہاتھ آجائے۔ اس میں قریب قریب یہ لکھا دیکھا: ''اگر یہ عقیدہ رکھے کہ فلاں بزرگ دور ونزدیک سے سنتے ہیں تو یہ شرک ہے''۔ اس میں واؤ عاطفہ پر تو نظر نہ گئی۔ بس حفظت شیاء وغاب عنك الأشياء (ترجمہ: تم نے ایک چیز کو سامنے رکھا اور باقی سارا کچھ نظر سے اوجھل ہوگیا) کے مصداق قریب سے عقیدہ سماع رکھنے کو شرک سمجھنے کا خیال ہم نے شاہ اسماعیل صاحبؒ سے رجسٹرڈ کروالیا۔ یہ تو ہمارے بچپن کا واقعہ تھا۔ اس کے بعد ایک دفعہ سرگودھا میں ایک مدرسے کے ذمہ دار مدرس کو تعلیم الاسلام میں اسی جیسی عبارت سے یہ نظریہ مفتی کفایت اللہ صاحبؒ کی طرف منسوب کرتے ہوئے دیکھا اور سنا۔ چنانچہ ہمیں اپنے طرز استدلال اور نتیجہ پر تسلی ہوگئی۔ وہ عبارت یہ تھی:

''مثلاً یہ اعتقاد رکھنا کہ فلاں پیغمبر یا ولی ہماری تمام باتوں کو دور ونزدیک سے سن لیتے ہیں، یا ہمارے کاموں کو ہر جگہ سے دیکھ لیتے ہیں، سب شرک ہے'' [تعلیم الاسلام: ص۱۴۹]

اسی دور کی بات ہے جس کا عقیدے سے کوئی تعلق ہو یا نہ ہو عقیدت سے ضرور ہے۔ اور شاید عقیدے اور عقیدت میں فرق صرف ایک حرف کا ہی ہے۔ جماعت کے بانی مبانی مولانا سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری ان دنوں مفلوج ہونے کی وجہ سے صاحب فراش تھے۔ اور وہ شاہ فیصل گیٹ گجرات میں مسجد کے نیچے اپنے کمرے میں ہوتے تھے۔ ہم نے ایک دفعہ جمعہ کی نماز مسجد میں ادا کرنے کے بعد وہاں بھی

حاضری دی۔اس موقعے پر وہاں لوگوں کو بیعت کرتے ہوئے دیکھا۔اس وقت ہماری عمر تقریباً بارہ سال تھی، اس لیے سارا منظر اب بھی آنکھوں کے سامنے ہے۔ یہ بھی بڑی اچھی طرح یاد ہے کہ شاہ جی کی ڈاڑھی کا ایک بال نیچے گرا ایک معتقد نے اٹھا کر پانچ روپے کے نوٹ میں لپیٹ کر بڑے عقیدت واحترام کے ساتھ سنبھال لیا۔اس موقع پر بیعت ہوئے یا نہیں، یا شاید بیعت کے مفہوم سے آشنا بھی تھے یا نہیں؟ یہ یاد نہیں البتہ مصافحہ کرنا یاد ہے۔اور یہ غالباً پہلی اور آخری دفعہ تھی جب ہم نے پیر بخاری کو دیکھا۔اس موقع پر ان صاحب کا بال سنبھالنا اور آس پاس کھڑے لوگوں اور خود شاہ جی کا انہیں اس کام سے نہ روکنا نہ ٹوکنا میرے لیے اب تک ایک سوالیہ نشان ہے کہ اسی تبرک سے تو ہمارے توحیدی نظریے کے مطابق شرک کے چور دروازے نکلتے ہیں۔اس کے باوجود اس کو گوارا کیوں کیا جائے؟۔ کیونکہ ہمیں یقین تھا کہ اگر کسی اور صاحب یا پیر کی مجلس میں یوں ہوتا تو ہمارے توحیدی متوالے شرک کا الزام نہیں تو کم از کم ناپسندیدگی کا اظہار ضرور کرتے۔ یہ سارے سوال ذہن میں تو تھے لیکن اتنے واضح نہ تھے کہ کسی جواب کے متلاشی ہوتے۔

انہی دنوں کی یا اس سے کچھ آگے پیچھے کی بات ہے کہ ہم نے ایک دفعہ شاہ فیصل گیٹ میں جمعہ کی نماز ادا کی، اردو تقریر کے بعد خطیب صاحب (ضیاء اللہ شاہ صاحب) نے ایک صاحب کا تعارف مجمع سے شروع کروایا کہ یہ ہمارے رشتہ دار ہیں اور ایک بڑے مشہور باپ کے بیٹے ہیں، یہ ابھی آپ کے سامنے اپنا نعتیہ کلام پیش کریں گے، اس کے بعد ان صاحب نے نعت پیش کی۔ یہ صاحب مشہور نعت خواں سید سلمان گیلانی تھے۔انہیں ہم حیاتی ہونے بلکہ ان کی ایک آدھ کٹر قسم کی حیاتیانہ نعتوں کی وجہ سے جانتے تھے۔ہمیں ان کے یہاں آنے اور ناظم اعلی صاحب کے انہیں منبر پر بٹھانے سے بہت تعجب ہوا اور شاید آج تک بھی ہوتا ہے۔مگر ہم نے اس ساری صورت حال سے ایک مثبت نتیجہ نکالا۔اور وہ یہ کہ حیاتی اتنے برے بھی نہیں کہ جتنا ہم سمجھتے ہیں، ورنہ انہیں جماعت کے مرکز میں مرکزی قیادت کی طرف سے بلا کسی ضرورت کے محض رشتہ داری کی وجہ سے منبر پر نہ بٹھایا جاتا۔

یہ سارا دور کنویں کے مینڈک یا کوہلو کے بیل کی طرح اپنی خوش فہمیوں کے حلقے ہی میں بسر ہو رہا تھا۔مثلاً ہمارے پاس یہ دلائل وہ دلائل، اٹھارہ ہزار احادیث، فلاں فلاں عالم، صاحب روح المعانی، رشید احمد گنگوہی صاحب اور حضرت تھانوی نے ''تکشف'' میں لکھا ہے، مولانا حسین شاہ نیلوی جامعہ امینیہ کے مدرس رہے۔ وہ مفتی کفایت اللہ صاحب کے شاگرد، مولانا حسین علی، حضرت گنگوہی کے شاگرد، ادھر مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی بھی حامی عقیدہ اور بقول شخصے فاروقیہ کے بہت سے مدرس اسی عقیدہ سے وابستہ۔ سعودی علماء وعرب وہی عقیدہ رکھتے ہیں، وغیرہ وغیرہ، بہت سے موہوم سامان کشش وبندش تھے جنہوں نے ہمارے گرد ایک یقینی حصار کھینچ رکھا تھا۔

ایک طرف یہ سارے عوامل تھے اور دوسری طرف نقش اول خود ایک زبردست عامل تھا جس کی وجہ سے یہ جزوی مسئلہ ہمارے لیے صبح وشام کی سوچوں کا محور، دلائل وقرائن کے جمع کرنے کا مرکز اور صلاحیتوں کے لگانے کا مصرف تھا۔ اور ہمارے خیال میں امت کے علماء کا وہی ایک معرکۃ الاراء مسئلہ تھا جس پر امت کی فلاح و بہبود کا درار ومدار تھا۔ ہمیں جب کوئی تفسیر ہاتھ لگتی تو سب سے پہلے آیت سماع وعدم سماع کو دیکھتے۔ اگر ظاہر واشارہ کے درجے میں کسی بھی طرح ہمیں اپنے مطلب کی چیز نظر آتی تو بغلیں بجاتے اور اگر کوئی مخالف پہلو سامنے آتا تو کھسیانے ہوتے اور یہ کہہ کر دل کو تسلی دے لیتے: ''ہمیں یہ بات سمجھ نہیں آتی۔ ابھی ہم چھوٹے ہیں، ورنہ یہ کیسے ممکن ہے کہ اتنے اتنے بڑے بڑے علماء کو قرآن کی یہ سامنے کی حق بات نظر نہ آئے وغیرہ وغیرہ''۔ اور کچھ اسی کے قریب قریب حضرت نانوتویؒ کی ''آب حیات'' اور ''المھند علی المفند'' وغیرہ کی تاویلات کی جاتی تھیں۔ مثلاً آب حیات، اپنا نظریہ تھوڑی ہے وہ تو شیعوں کا الزامی جواب ہے اور المھند تو بریلویوں کے فتنہ کو کم کرنے کے لئے لکھی گئی۔ اپنے اصل نظریات تو کچھ اور تھے۔ لیکن وہ نظریات کیا تقیہ کی نذر ہو گئے؟ اس طرف ذہن جاتا نہیں تھا۔ بلکہ المھند کے بارے میں تو جماعت کے ناظم اعلیٰ مولانا ضیاءاللہ شاہ صاحب بخاری (۱) نے ایک جلسے میں بھرے مجمع میں اپنے خاص انداز اور لہجے میں یہ کہا:

''المھند کے مصنف نے اپنی بعض عبارات سے رجوع کر لیا تھا''

مجمع اس وسعت علمی اور نکتہ رسی پر عش عش کرنے لگا۔ ہمارے سمیت کئی توحیدی متوالے ایک دوسرے کو ہلکی ہلکی اطمینانی نظروں سے دیکھنے لگے۔ اور دل ہی دل میں کہنے لگے واہ کیا بات ہے؟ ہمارا مسلک کتنا محکم اور مضبوط ہے۔ کیوں کہ یہی المھند کا اعتراض وزنی ہوتا تھا اور اس کا جواب آج مل گیا ہے۔ لیکن ہمارے سمیت کسی کو بھی یہ خیال نہ آیا کہ یہ تو واضح کروالیا جائے کہ اس رجوع کا ذکر کہاں ہے؟ حوالہ کیا ہے؟ کتاب کا نام کیا ہے؟ اور یہ کہ وہ عبارات کون سی ہیں؟ اور کیا یہ المھند کی عبارات ہیں؟ پھر المھند میں سے کیا یہ

(۱)۔ یادش بخیر۔ موصوف، بانی اشاعت التوحید والسنۃ، مولانا عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری کے اکلوتے فرزند اور مزاج ومذاق کے حقیقی وارث ہونے کے ساتھ ساتھ نکتہ رس اور سریلے خطیب بھی ہیں۔ علمی رسوخ اور پختگی کا تو اتنا اندازہ نہیں کیونکہ ایک آدھ دفعہ ''حیاتیوں'' کی طرف سے کیے گئے کسی عقلی اعتراض کا ذکر کیا تو بجائے جواب دینے کے موصوف نے روایتی دھونس اور بے نیازی کے ملے جلے انداز سے اس کا دفعیہ کرنے کی کوشش کی تھی، البتہ موصوف کا عملی تصلب اور اتباع سنت کا التزام حالیہ ایک واقعے کے بعد خاصا مشکوک ٹھہرا ہے۔ واقعہ بلکہ سانحہ یہ ہوا ہے کہ موصوف کا برطانیہ کا ایک چکر لگا ہے جس کے بعد چہرے پر موجود وہ سفید اور چمکدار سنت رسول یعنی ڈاڑھی گھٹتے گھٹتے چہرے کی کھال کے بالکل قریب پہنچ چکی ہے۔ توحید وسنت کے متوالے، جن کا اولیں سبق ہی قران وسنت ہے اور اس کے مقابلے میں وہ بزرگوں اور اکابر کو ''لاشے'' سمجھتے ہیں، ان کے لیے امیر جماعت کا یہ عمل کسی طرح بھی قابل ہضم نہیں، لیکن اب یہ ایک ایسا سوال ہے جس کو نہ اگلے بنتی ہے اور نہ نگلے۔ کسی سے بھی بات کیجیے وہ بیچارہ نہ تردید کرتا ہے اور نہ وکالت وحمایت۔ بس گومگو کی کیفیت سے دوچار نظر آئے گا۔ (بقیہ اگلے صفحے پر)

عقیدہ حیات وسماع کی عبارات ہیں؟ اپنی جماعت کے اکابر سے حسن عقیدت کی بناء پر یہ خیال ممکن بھی کیسے تھا؟ اس لیے یہ مبہم ومجمل دعوی ہی دعوی ہمارے لیے اپنے اندر بہت سا سامان تسلی رکھتا تھا، چنانچہ رکھے رہا۔ یہ

(پچھلے صفحے کا حاشیہ)۔۔پچھلے دنوں راقم الحروف کو کسی کام کے سلسلے میں اشاعت التوحید کے مرکز گجرات جانے کا اتفاق ہوا، بندہ کو شاہ صاحب کی مسجد (شاہ فیصل گیٹ) کے پاس سے گذرے ہوئے بھی قریب قریب دس بارہ سال کا عرصہ بیت چکا تھا، تجسس اور عہد رفتہ کی یادوں سے جنم لینے والے اشتیاق کے ساتھ مسجد جا پہنچا۔ تقریر شروع تھی۔ بتانے والوں نے بتایا کہ یہ عجیب اتفاق ہے کہ خاصے عرصے کے بعد خود شاہ صاحب بیان فرما رہے ہیں، ورنہ تو صاحبزادہ صاحب ہی بیان کرتے ہیں۔ خیر مسجد کے ہال میں پہنچے، تقریر کا تقریباً ایک تہائی حصہ گذر چکا تھا، موضوع اگرچہ فلسفہ معراج تھا لیکن شاہ صاحب کی خطیبانہ مہارت تھی کہ اسی موضوع میں اپنی جماعت اشاعت التوحید کی دوسری دیوبندی تنظیموں اور جماعتوں پر پرزور اور بھرپور فضیلت خوب ثابت کی۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے باری آئی ختم نبوت اور اس پس منظر میں قادیانیوں کے خلاف ۷۴ء کی آئین سازی کے لیے کی جانے والی کوششوں کی۔ حضرت نے اس کو اس انداز خطیبانہ سے ڈی ویلیو کیا کہ یہ کام تو اللہ نے ایک شراب پینے والے (بھٹو) سے کروالیا تھا۔ پھر اگلا نمبر بے چاری سپاہ صحابہ کا آیا۔ اس پر بھی تنقیدی گولہ باری مختلف اندازوں سے جاری رہی حتی کہ شاہ صاحب کی زبانی یہ ہوش ربا انکشاف بھی سامنے آیا کہ مشرف دور میں جمالی کو وزیر اعظم بنانے کے ایک ووٹ کی کمی تھی جس کو پورا کرنے کے لیے سپاہ صحابہ کے امیدوار (مولانا اعظم طارق) کو جیل سے نکلوا کر الیکشن لڑوا کر جتوایا گیا اور ووٹ دلوایا گیا۔ اس کے بعد مظلوم زمانہ مشہور لیڈر مولانا فضل الرحمٰن کی باری آئی۔ ان کے بارے میں موصوف تقریباً ان لفظوں میں گویا ہوئے: ''جاؤ کسے کولوں وی پچھ لو مفتی محمود دے پتر (فضل الرحمٰن) دی عزت بہتی اے یا عنایت اللہ شاہ دی؟'' (جاؤ کسی سے بھی پوچھ لو مفتی محمود کے بیٹے کی عزت زیادہ ہے یا عنایت اللہ شاہ کی؟) دوران تقریر ہی حضرت نے مجمع کی کمی کی بھی شکایت کی، لیکن اس کی توجیہ خود ہی گرمی سے کی، مجمع کی کمی اور سامعین کی رونق ہمارے لیے بھی سوالیہ نشان تھی کیونکہ ہمارے قدیم زمانے میں آج بیان کے آخر تک آنے والا مجمع شروع میں ہوا کرتا تھا۔ لیکن ہمارے خیال میں بصد ادب حضرت کی گرمی والی توجیہ معقول نہیں کیونکہ ہم نے گرمیوں میں بھی بارہا وعظ سنا تھا۔

آج کی تقریر میں ذہول تھا یا کیا سبب حضرت نے اپنے مرغوب شکار ''تبلیغی جماعت'' کی طرف اپنی عنان التفات نہیں موڑی۔ ورنہ عام تقاریر میں تو یہ جماعت اولیں ہدف ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ خود شاہ جی کی تقریر کے اندر ہم نے جب ایک پرانے شناسا کے طور پر جھانکا تو حسرت اور زمانہ کی دست برد کے اثرات بھی نظر آئے۔ غالب کا یہ مصرع بلا اختیار ذہن میں پوری معنویت کے ساتھ ذہن میں گردش کرنے لگا:

مارا اسد اللہ خاں زمانے نے تمہیں
وہ ولولے کہاں وہ جوانی کدھر گئی؟

تقریر میں وہ پرانا تسلسل، ربط مضمون اور خطیبانہ عشعشی نکات بڑی حد تک مرور ایام کے ساتھ رخصت ہو چکے تھے۔ بڑھاپے کے سبب کے علاوہ بین السطور نفسیاتی شکست اور پس ماندگی کا احساس بھی ہو رہا تھا۔ کیونکہ جن دنوں شاہ جی اور ان کی جماعت کا ان علاقوں میں واقعی طوطی بولا کرتا تھا، ان دنوں طمطراق اور طنطنہ کچھ اور تھا۔ ان دنوں شاہ جی نفسیاتی طور سے اتنی بوکھلاہٹ کا شکار نہیں ہوا کرتے تھے کہ انہیں اپنے مخالفوں یا رقیبوں کے لیے ان کے نام لے کر ذاتیات پر مشتمل تنقید کرنی پڑے۔ خیر ہمارے تبصرے اور مشورے اپنی جگہ لیکن شاہ جی اپنے حلقہ احباب اور جماعت کی افرادی قوت کی کمی کا جن قوتوں کو بجا طور پر ذمہ دار سمجھتے ہیں، ان کے خلاف بولنے کا انہیں پورا حق حاصل ہے۔ آخر غالب ہی نے تو یہ بھی کہا ہے:

دل ہی تو ہے نہ سنگ و خشت درد سے نہ بھر آئے کیوں؟
روئیں گے ہم ہزار بار کوئی ہمیں ستائے کیوں؟

تھا ہمارے اس ذہنی دور اور کیفیت کا کچھ اجمالی نقشہ کہ کن کن بنیادوں پر کیسے کیسے مستحکم نظریات قائم تھے۔!

پھر انسانی فطرت کے مطابق کچھ بلکہ بہت سے لوگ اسی منزل پر اکتفاء کر جاتے ہیں، چنانچہ وہ آج تک انہی نظریات کو دل وجاں سے سینے سے لگائے بیٹھے ہیں اور اسے پورے اخلاص کے ساتھ حق سمجھے ہوئے ہیں، نہ وہ ان نظریات کو عقل ودلائل کی کسوٹی پر پرکھتے ہیں اور نہ شاید پرکھنا چاہتے ہیں۔اور ہم بھی شاید یہی کچھ کرتے اگر وہیں ٹھہرے رہتے، لیکن ہمارا چونکہ آگے علم کی تحصیل کا مزید ارادہ تھا اوراس کے لیے اب مینڈک کے اس کنویں سے آگے نکلنا ضروری تھا، لہٰذا نکلنا پڑا، پہلے ایک تبلیغی مدرسے میں پہنچے۔حضرات تبلیغ کا عمومی مراج بحث مباحثہ سے احتراز کا ہے۔ایک آدھ استاذ نے (جنہیں ہمارے اس تصلب اور حقانی عقیدے کی کچھ خبر ہوگئی یا سابقہ تعلیمی اداروں سے اندازہ لگالیا ہوگیا) ایک آدھ دفعہ اس موضوع پر دبے لفظوں میں لیکچر بھی دیا، مگر ہم تھے کہ ہمارے سامنے قرآن وسنت کے صریح نصوص اور اٹھارہ ہزار احادیث کا ذخیرہ تھا اور ان لوگوں کے پاس بس بزرگ تھے، بزرگ !! ہم قرآن کے مقابلے میں ان بزرگیوں کو کیا جانتے۔ چنانچہ کانٹا جوں کا توں رہا۔۔۔۔اور دیگر حضرات کو بدعقیدگی پر نہیں تو کم از کم شدید قسم کی اجتہادی خطاء پر سمجھنا فرض بنتا تھا اور یہ فرض نبھاتے رہے۔

اپنے طلبہ ساتھیوں سے بھی تو تکار ہوجاتی۔وہ ہمارے تصلب سے مایوس ہوکر جب یوں کہتے : کہ بس تم سب پٹڑی سے اترے ہوئے ہو، تو یہ بات ہمارے لیے مزید تقویت واطمینان کا موجب بنا کرتی کہ اہل حق کو ایسے ہی طعنے ملا کرتے ہیں۔ایک طالب علم اور ہمارا ساتھی بڑا سیدھا سادھا سا تھا، اس نے ہمیں ایک دن علیحدہ کرکے پوچھا کہ تمہارا واقعتاً یہی نظریہ ہے یا مذاق کرتے ہو؟ ہم نے اس کے سامنے اپنے حقانی عقیدے کا کھلے لفظوں میں اقرار کیا، یا اپنے دوٹوک عقیدے کو مصلحتا (تقیۃ) چھپالیا؟ یہ یاد نہیں۔بظاہر ہم نے اسی طرز عمل کو اپنایا ہوگا جس کو ہمارے تقریبا تمام مماتی احباب حیاتی مدارس میں پڑھتے ہوئے اپناتے ہیں۔کہ وہ لوگ یا تو بالکل خاموش رہتے ہیں یا پھر جھوٹا اقرار کرتے ہیں۔ہم نے کیا کیا؟ یہ یاد نہیں، البتہ اتنا یاد ہے کہ ہم نے اپنی ذہانت یا اس کی سادگی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے باتوں ہی باتوں میں اسے بھی اپنے عقیدے کے دلائل دے کر خاموش کروادیا۔

انہی دنوں ہمیں جلیل القدر فقیہ حسن بن عمار الشرنبلالی صاحب نورالایضاح پر بہت تعجب ہوا۔ کیوں کہ جب ہم نے نورالایضاح سے کتاب الحج پڑھی تو وہاں مدینہ منورہ کی حاضری کے باب میں انہوں نے عقیدہ حیات النبی کا صاف لکھا تھا اور صریح مخاطب کے صیغوں کے ساتھ صلاۃ وسلام پیش کرنے کا بھی کہا تھا۔ہم ایک دفعہ تو اچھے خاصے چیں بجبیں ہوئے، یہ کیا لکھ دیا؟ عقیدہ توحید کو اتنی بڑی ٹھیس! یہ تو بریلوی ہی ہوئے وغیرہ وغیرہ۔۔۔۔ایسی مبہم تاویلات سے دفع الوقتی کے طور پر کام چلالیا، لیکن کسی بھی معقول

آدمی کے لیے مستقل طور سے اسے ہضم کر جانا کب ممکن تھا، اس لیے یہ نکتہ سوالیہ نشان بن کر ذہن میں الجھا رہا۔ یہ ذہن میں رہے کہ ابھی تک تعلیمی مراحل کے اعتبار سے ہم درجہ ثالثہ میں تھے۔

ادھر اتفاق یہ ہوا کہ ہم آگے کی تعلیم جاری رکھنے کے لیے انفرادی طور پر ایک پرانے عالم اور ماہر معقولی و منطقی استاد کے پاس پہنچے جو ایک واسطے سے حضرت تھانوی کے شاگرد اور جامعہ اشرفیہ کے فارغ التحصیل اور اپنے علاقے میں فریقین کے علماء کے استاد بھی تھے، بلکہ شاید ان کے مماتی شاگردوں کی تعداد حیاتیوں سے زیادہ تھی۔ ان استاد صاحب کی نظریاتی وابستگی اگرچہ حیاتی گروہ سے تھی اور ان میں اس حوالے سے تصلب اور بصیرت تو تھی، تاہم وہ تشدد اور تعصب سے کام نہیں لیتے تھے، بلکہ بڑی فراخدلی سے کسی کا نظریہ دیکھتے اور اس پر گفتگو کرتے تھے۔ اہم بات یہ تھی کہ وہ اس نظریہ حیات میں کسی کے مقلد نہیں تھے، بلکہ وہ اپنا نظریہ اپنے ہی قائم کردہ دلائل کی بنیاد پر، مگر بڑے منطقی اور معقول طریقے سے پیش کرتے تھے۔ ان کا کمال یہ تھا کہ وہ اپنے فریق مخالف ہی کی دلیل سے ہی اس کے خلاف دلیل قائم کر لیتے تھے اور مزے کی بات یہ کہ وہ اس سلسلے میں قرآنی مستدلات سے کام لیتے تھے۔ دوسرے لفظوں میں لوہے کو لوہے سے کاٹنے کا کام لیتے تھے۔ کیونکہ ہمارے نظریے میں قرآن قرآن ہی سب کچھ تھا، اور وہ بھی قرآن قرآن ہی کہتے تھے۔ انہوں نے اس کے لیے کبھی نہ حضرت گنگوہی کا حوالہ دیا اور نہ کبھی سہارنپوری صاحب کی رائے کو محض دیوبند کے اکابر کی رائے کے طور پر مسلط کیا۔ بلکہ وہ اس کو ذکر ہی نہیں کرتے تھے۔

آدمی کچھ غور و فکر کرنے کا عادی ہو اور اس بات کا دعوے دار یا خواہاں ہو کہ میں اپنے نظریے کو محض جماعت یا اساتذہ کا نظریہ ہونے کی وجہ سے قبول نہ کروں بلکہ اسے عقل و نقل کی کسوٹی پر کس کر بھی دیکھوں تو اس کے لیے ایسا علمی اور استدلالی ماحول اپنے اندر بہت کچھ اہمیت رکھتا ہے۔ یہاں اگرچہ استاد صاحب سے نوک جھونک ہوتی رہتی تھی اور اپنے حقانی عقیدے کا دفاع کرنے کی کوشش کیا کرتے تھے۔ تاہم اب کے لحاظ خوش قسمتی اور تب کے اعتبار سے بدقسمتی اور مقام فکر یہ کہ اس وقت لاشعور میں یوں لگتا تھا کہ کچھ کچھ دل میں ہو رہا ہے اور شاید کوئی بات ہے جو دل میں جگہ پکڑ رہی ہے اور کچھ ہے جو نکلتا جا رہا ہے۔ بہرحال! یہاں بھی ذہن میں شعوری ارتقاء کے طور پر نئے نئے سوالات سامنے آتے رہے اور بعض قدیم چیزوں پر اس مرحلے میں سوچ کر ہنسی بھی آتی رہی۔ تاہم اس سب کچھ کے باوجود ابھی تک نقش اول بڑی حد تک قائم تھا۔ یا دوسرے لفظوں میں ابھی تک ہم نظریہ توحید سے وابستہ تھے۔ اس کے بعد لاہور کے ایک تعلیمی ادارے میں موقوف علیہ کے لیے داخل ہوئے۔ وہاں بھی اپنے شعور و فہم کے بل بوتے پر نہ کہ تقلید و اعتقاد یا عقیدت کی بناء پر غور و فکر جاری رہا۔ وہاں کے ایک استاد صاحب نے ایک دن یہ فیصلہ کن بلکہ حیران کن بات کہی جس نے ہمیں غور و فکر پر مجبور کر دیا۔ بات یہ تھی:

''مماتی حضرات کا اپنا نظریہ جو بھی ہے وہ رکھے رہیں۔ہمیں اعتراض اس بات پر ہے کہ وہ اس نظریے کو علماء دیوبند کی طرف کیوں منسوب کرتے اور اپنے آپ کو اس کے باوجود دیوبندی کیوں کہلاتے ہیں؟ علماء دیوبند تو ان کی تائید کے لیے قطعا تیار نہیں۔حضرت مدنیؒ کو دیکھ لو۔اور اب پاکستان و ہندوستان کے موجودہ حضرات سے پوچھ لو۔''

انہی استاد صاحب نے ایک دفعہ ایک بڑے عالم کی مجلس میں یہ بات سنائی کہ مولانا ارشد مدنی صاحب (صاحبزادہ حضرت مدنیؒ) جب پاکستان آئے تو انہوں نے بذات خود سنایا کہ ایک دفعہ بچپن کی بات ہے میں اباجی (حضرت مدنیؒ) کی مجلس میں تھا۔ڈاک آئی ہوئی تھی اور خط پڑھے جارہے تھے۔ایک خط میں ایک صاحب نے حضرتؒ سے درخواست کی تھی کہ مجھے بیعت فرما لیجیے۔حضرت مدنیؒ نے سن کر تھوڑی دیر کے لیے سر جھکایا اور پھر فرمایا:

''اسے لکھو! اگر تم حیات النبی ﷺ کے قائل ہو تو تمہیں بیعت کرتا ہوں''

ان استاد صاحب کی علمائے دیوبند کی نسبت یہ فیصلہ کن بات سن کر اب ہمارے لیے ایک تو راہ یہ تھی کہ ہم اسے یکسر نظر انداز کر دیتے اور اپنے مبرہن و مدلل حقانی عقیدے کو جوں کا توں گلے سے لگائے رکھتے، جیسا کہ ہمارے بہت سے احباب ایسے کرتے ہیں اور وہ اس طرح اپنے بنیادی جماعتی منہج اور لاشعوری منشور کہ ''ہر بات کو بزرگوں کا مقولہ ہونے اور شخصیت پرستی کی بنا پر ماننے کے بجائے دلائل شرع سے پرکھو'' والے اصول کی عملا مخالفت کرتے ہیں۔اور دوسری صورت یہ تھی کہ جو کچھ ہمارے پاس پہلے سے موجود دلائل ہیں اور پھر ان سات آٹھ سالوں میں جو علم و معلومات حاصل ہوئی ہی ان کی بنیاد پر تحقیق و تفتیش کرتے کہ آخر حق بات ہے تو کیا؟ اور کہاں ہے؟ ہمیں اپنے سابقہ آزادانہ غور و فکر اور اپنے حضرات سے ملی ہوئی جرأت تحقیق اور جذبہ اتباع حق اور اندھی عقیدت و تقلید اور بزرگوں بزرگوں کی بجائے ''دلائل پر نظر'' کی بنا پر دوسرا راستہ اختیار کرنا ضروری تھا اور ہم نے کیا چنانچہ اب ہم نے تصویر کا دوسرا رخ دیکھنا شروع کیا۔جب دیکھا تو منظر عجیب تھا۔ ع ''ہم الزام ان کو دیتے تھے قصور اپنا نکل آیا''

عقیدہ توحید و سنت کے بہت بڑے داعی و حامی ابن القیم (جو عقیدہ توسل میں ہمارے راہنما تھے) کی زاد المعاد دیکھی تو انہوں نے یہ ظلم ڈھا رکھا تھا:

''الحادية والثلاثون: ان الموتى تدنو ارواحهم من قبورهم وتوفيها في يوم الجمعة فيعرفون زوارهم ومن عبر بهم ويسلم عليهم ويلقاهم في ذلك اليوم أكثر من معرفتهم بهم في غيره من الأيام'' (زاد المعاد: ص۴۰۱)

ترجمہ: جمعے والے دن مردوں کی ارواح قریب ہوتی ہیں، جس کے نتیجے میں عام دنوں سے بڑھ کر وہ

اپنے پاس آنے والے، پاس سے گذرنے والے اور سلام کرنے والے کو پہچانتے ہیں۔

اللہ اکبر: یہ کیا ہوا؟ ایسے باریک بیں عالم کو عام مردوں تک کے بارے میں یہ بات لکھتے ہوئے قرآن کی واضح، صریح، قطعی، اور روشن نصوص اور اٹھارہ ہزار احادیث بھول گئیں؟ آخر ایسا انہوں نے کیوں کیا؟ یہ پڑھ کر اور کیا کرتے یہی کہہ سکتے تھے ع اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

اسی طرح ایک صاحب سے سنا وہ بڑے دعوے اور وثوق سے کہہ رہے تھے کہ روح المعانی والے عدم سماع کے قائل ہیں۔ اتفاق سے ہمارے ہاتھ روح المعانی لگ گئی۔ وہاں دیکھا تو منظر ہی عجیب تھا، سماع وعدم سماع کے بارے میں ساری تفصیل لکھنے کے بعد صاحب روح المعانی لکھتے ہیں:

والحق أن الأموات يسمعون في الجملة.

ترجمہ: اور حق بات یہ ہے کہ مردے کسی نہ کسی درجے میں سنتے ہیں۔ (روح المعانی جلد نمبر ۲۱ صفحہ ۷۹)

واسفاہ: یہ کیا قیامت ڈھے گئی؟! اِس سے ہم خاصے پریشان ہوئے کہ یہ کیا ہوا؟ خیر یہ بات تو ماننی پڑی۔ ورنہ کیا کرتے؟ روح المعانی کا یہ ورقہ پھاڑتے! آخر مطبوعہ تھی اور بھی ہزاروں نسخے ہوں گے؟ یا یوں کہتے: ''یہ الحاقی عبارات ہیں جو اہل باطل نے ہمارے بزرگوں کی کتابوں میں بڑے طریقے سے گھسا دی ہیں''۔ لیکن اس پر یہ مشکل کہ اگر یوں ہی ہر فرقہ اور نظریہ عباراتِ اکابر کو الحاقی ثابت کرتا رہا تو ہمارے پلے کیا رہ جائے گا؟

خیر! چاروناچار، اس بات کا قائل ہونا پڑا کہ ہمارا عقیدہ حقہ کچھ بھی ہو، صاحبِ روح المعانی کا اپنا نظریہ دوسرا ہی ہے، اس لیے روح المعانی کا نام اپنی تائید میں پیش کرنا یا تو لاعلمی ہے کہ آخر تک بحث پڑھی ہی نہیں اور نسبت کردی، یا بہت بڑی زیادتی اور تجاہل عارفانہ ہے۔ پھر اس نور الایضاح والے کھٹکے کو دور کرنے کے لیے کتب فقہ سے رجوع کیا تو یہاں کی دنیا ہی اور نظر آئی۔ تمام کے تمام اسی ڈگر پہ چل رہے ہیں اور روضے پر درود وسلام پیش کروا رہے ہیں۔

خدایا کیا ماجرا ہے؟ سر پکڑ کر بیٹھ گئے اور ادھر یہ غم اور افسوس بھی کھائے جا رہا تھا کہ اس تحقیق کی شاہراہ پر یہ سارے بزرگ ہمارا عقیدہ حقہ کہیں لوٹ نہ لیں؟ اس میں وہ جہل مرکب والا زور تو پہلے سے ہی ختم ہو گیا، البتہ اب ایک ہلکے سے خدشے ومندرس الآثار جذبے کے طور پر دل کے ایک آخری سے کونے میں متاع گرانمایہ کی طرح چھپا کر رکھا تھا۔۔۔۔۔اور یہ امید بھی تھی کہ شاید کوئی حامی وناصر آئے اور اسے پھر سے وہ جوانی اور رعنائی اور شگفتگی وتازگی عطاء کردے جو کبھی اس پہ ہوتی تھی۔ بہر حال اس جیسے خدشات و توقعات کے ساتھ سفر جاری تھا۔۔۔۔۔مزید آگے بڑھے۔ شیخ التفسیر مولانا حسین علی واں بھچرویؒ کے استاد، امام ربانی، ثانی مجدد الف ثانی، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کے فتاوی کو دیکھا تو یہ ملا:

''مگر انبیاء علیہم السلام کے سماع میں کسی کو خلاف نہیں۔اسی وجہ سے ان کو مستثنیٰ رکھا اور دلیل جواز یہ ہے کہ فقہاء نے بعد سلام کے وقت زیارت قبر مبارک شفاعت مغفرت کا عرض کرنا لکھا'' (فتاوی رشیدیہ ۱۴۲/۱)

اللہ اکبر! علماء دیوبند کے سرخیل اور بانی دیوبند اور یہ بات! آخر جوڑ بٹھائیں تو کیسے؟ صریح بات ہے تاویل بھی کریں تو کیا؟ اگر یہ کہہ کر تسلی دینا چاہیں کہ حیات برزخی ہے اور اس کے ہم بھی قائل ہیں تو بھی بات نہیں بنتی کیونکہ سماع صلاۃ وسلام پھر آڑے آتا ہے اور اگر برزخی ہے تو اس میں انبیاء کی تخصیص کیوں؟ وہ تو سب کو حاصل ہے۔غرض کہ بات نہ بنی۔اسی طرح حضرت تھانویؒ کے حوالے سے یہ ملا:

''غرض یہ بات باتفاق امت ثابت ہے کہ انبیاء قبر میں زندہ رہتے ہیں اور خاص ہمارے حضور کے بارے میں تو مخالفین بھی حیات کے معتقد ہیں۔ان کو بھی حضور کی حیات کا اقرار ہے''۔(میلاد النبی،۱۸۸)

بڑے میاں بڑے میاں، چھوٹے میاں سبحان اللہ! حضرت تھانوی جن کی ''تکشف'' کی مجمل عبارت پر بغلیں بجاتے تھے انہوں نے یہ کیا غارت کردی کہ حیات النبی اور ثابت بھی اجماع سے کی۔ خداوندا! یہ تیرے سادہ دل بندے کدھر جائیں؟ دیوبندی بھی بدعتی بن گئے اور بدعتی تو تھے ہی بدعتی۔لیکن ادھر ان بزرگوں کی حقانیت اور احترام بھی راسخ۔تغلیط کریں تو کیسے؟ اور اگر من وعن تسلیم کریں تو کیونکر؟

ع عجب مشکل میں پھنسا سینے والا چاک داماں کا

ادھر ساتھ ہی ایک لمحے کے لیے یہ خیال بھی آیا کہ ہوسکتا ہے کہ نہ یہ اکابر غلط ہوں اور نہ ان کی عبارات۔کہیں ایسا تو نہیں کہ ہمیں شرک وبدعت کے معیار اور پیمانے طے کرنے میں کہیں غلطی لگی ہو؟ لیکن اس خیال کو شیطانی وسوسہ سمجھ کر جھٹک دیا۔نہیں۔نہیں،،حق وہی ہے جو ہم نے سمجھ رکھا ہے لیکن یہ سوال آخر اتنی آسانی سے تو پیچھا چھوڑنے والا نہ تھا۔پھر آگے بڑھے تو دیکھا کہ مولانا محمد حسین شاہ صاحب نیلوی کے استاد مفتی کفایت اللہ صاحب نے لکھا تھا:

(۱) انبیاء کرام اپنی قبروں میں زندہ ہیں (کفایت المفتی ، ۶۸/۱)۔(۲) ہاں میت کو قبر میں رکھنے کے بعد اس قدر حیات ڈال دی جاتی ہے کہ وہ آرام یا تکلیف کو محسوس کر سکے۔(۱۹۶/۱)۔ (۳) توسل فی الدعاء کی بھی گنجائش ہے۔(۵۵/۲)

ہیں!! یہ کیا؟ یہ کیا بنا؟ یہ مفتی کفایت اللہ صاحب جنکی تعلیم الاسلام کی ایک عبارت ہمارے لیے سامان تسلی بنی تھی اور جن کے مدرسہ امینیہ کے نام پر ہم اطمینان کی چھاؤں میں رہے، وہ آخر یہ کیا رقم کررہے ہیں؟ ایک دفعہ سوچا یہ کوئی اور ہونگے، تعلیم الاسلام والے نہیں لیکن جب دیکھا تو مایوسی ہوئی کیونکہ تفصیلات ساری وہی تعلیم الاسلام والی تھیں۔اب یہاں ایک دفعہ تو دماغ اتنا خراب ہوا کہ اپنے بہت سے اشاعتی احباب کی طرح جو اندر ہی اندر کہتے ہیں ہم نے بھی اندر ہی اندر یہ کہہ دیا کہ علمائے دیوبند کون سا نبی ہیں؟ یا

کوئی فرشتے ہیں کہ جو غلط بات نہیں لکھ سکتے۔اور ہم تو حق کے متلاشی ہیں۔یہ حضرات اگر اس سے آنکھیں بند کیے بیٹھے ہیں تو ہم کیا کریں۔کسی کی شخصیت سے متاثر نہیں ہونا چاہیے،شخصیت پرستی ایک لعنت ہے۔بس دلیل کو دیکھنا چاہیے۔آزاد رہو اور اپنی عقل سے سوچو۔لیکن ساتھ ہی یہ خیال آیا۔نہ جانے رحمانی تھا یا شیطانی۔کہ ہمارا یہ کہنا بھی کسی سے متاثر ہو کر تو نہیں؟اور کیا ہم خود اپنے اسی قاعدے سے انحراف تو نہیں کر رہے؟اور کیا ہم نے از اول تا آخر یہ نظریہ اپنی آزاد تحقیق کی بنیاد پر قائم کیا ہوا ہے؟لیکن ان سوالوں کا جواب مکمل طور سے اثبات میں نہ مل سکا۔اور اس کے حصول کے لیے خواہ مخواہ اپنے ضمیر پر جبر بھی نہ کیا جا سکا۔ساتھ ہی پہلے سے موجود دیگر گمراہ فرقوں مثلاً خوارج ومعتزلہ کی روش ذہن میں آئی۔کہ وہ بھی اپنی انا اور عقل پر چلے اور کسی کو بڑا ماننا گوارا نہ کیا بلکہ صحابہ تک کو وہ قرآنی احکامات اور معارف سے نابلد اور نعوذ باللہ سٹھیایا ہوا خیال کرتے رہے۔پھر اگر وہ اپنی عقل کی بنیاد پر قرآن کو سمجھے تو کیا سمجھے؟

بہر حال:یہ حوالے دیکھ کر ایک اچھی خاصی کشمکش اور الجھن پیدا ہوئی یا یوں کہیں کہ پہلے سے چلے آنے والے اضطراب میں اچھا خاصا اضافہ ہوا۔اور یہ مشکل شاید صرف ہمارے جیسوں کے لیے ہی تھی کہ جو حق کے بھی متلاشی ہیں اور حقیقی بنیادوں پر دامن اسلاف بھی نہیں چھوڑنا چاہتے۔اور اتنے بڑے اقدام کی جرأت کرتے بھی کیسے کہ ہمیں تو بتایا گیا تھا کہ علمائے دیوبند کا عقیدہ یہی ہے۔چنانچہ کیا تھا اسی ادھیڑ بن میں پڑے رہے۔کیونکہ اگر عقیدہ دیکھتے تو شخصیات جاتی تھیں اور اگر شخصیات بچاتے تو عقیدہ متزلزل ہوتا تھا۔یہ تو **کفایت المفتی** دیکھ کر ہوا۔اسی طرح رشید احمد صاحب لدھیانوی لکھتے ہیں:

> ارواح انبیاء چونکہ قبر میں معطل نہیں بلکہ عبادات مثل اذان نماز روزہ حج زکوۃ وغیرہ افعال میں مشغول ہیں لہٰذا ان پر حیات کا اطلاق کیا گیا۔۔الی۔۔باقی یہ اعتراض فضول ہے کہ قبور سے اذان وغیرہ کی آواز کیوں سنائی نہیں دیتی یا اولیاء قبور سے نکل کر حج وغیرہ کرتے دکھائی کیوں نہیں دیتے؟۔۔الی۔۔
> اس کا مقصد یہی ہے کہ حضور ﷺ معارف الٰہیہ میں مستغرق رہتے ہیں،جب کوئی سلام کرتا ہے تو اس کی طرف توجہ فرماتے ہیں۔(احسن الفتاوی،۴/۱۹۲)

یہ اور اس جیسی بے شمار باتیں سامنے آئیں جن سے تشویش میں روز بروز اضافہ ہوتا چلا گیا۔گویا اب ہماری حالت کچھ ایسی تھی ؎

اسی کشمکش میں گذری میری زندگی کی راتیں
کبھی سوز و ساز رومی، کبھی پیچ و تاب رازی

اس موڑ پر آکر یہ بات بھی منقح ہوئی کہ اصل اختلاف اور نزاع انبیاء علیہم السلام کی حیات اور سماع میں ہے۔عام مردوں کے بارے میں کوئی اتنی اہم بات نہیں اور مسئلہ حیات النبی ﷺ میں اِدھر اکابر کی یہ

عبارات صریح، اُدھر ایک آدھ ایسی تاویل بھی سامنے آئی کہ جی حیات برزخی ہے ناں! وہ ہم بھی مانتے ہیں لیکن ایک تو ایسی لچر تاویل توحید وسنت کے متوالوں کے شایاں شان تھی کہاں؟ وہ تو سیدھی سیدھی بات کرنے اور سننے کے قائل ہیں۔ تاویلیں تو ان لچر عقیدے والوں کا کام ہے جن کا عقیدہ شخصیات اور تاویلات کی بیساکھیوں کے سہارے قائم ہو۔ ہمارا عقیدہ تو صریح، قطعی نصوص قرآنیہ اور اٹھارہ ہزار احادیث پر مشتمل ہے۔ ہمیں ایسی بودی تاویلیوں سے کیا سروکار؟ دوسرے حیات انبیاء کے باب میں اکابر کی عبارات میں اس تاویل کے باوجود سماع پر آکر سوئی دوبارہ اٹک جاتی تھی۔ کیوں کہ حیات میں تو عنصری اور برزخی کی تقسیم کارآمد ہوسکتی تھی، مگر سماع تو اسی جسد عنصری اور مدینہ منورہ والی قبر کے ساتھ خاص تھا۔ ہاں اگر اس میں بھی کوئی تاویل ہوجائے تو پتہ نہیں۔ اور اگر ایسا ہوجائے تو یہ شاید خوش آئند بات ہوگی کیوں کہ ایسی صورت میں نزاع لفظی رہ جائے گا۔ لیکن ایسا ہوا نہیں اور نہ ہونا تھا کیونکہ سماع کا مسئلہ تو ہمارے خیال میں شاہ اسماعیل شہید کی تحقیق کے مطابق شرک کا دروازہ بلکہ شرک ہی تھا۔ اس لیے اس پر سمجھوتا کیوں ہوتا۔ چنانچہ نزاع جوں کا توں رہا۔ سابقہ اکابرین کا بھرم تو یوں ختم ہوا۔ اس طرح سعودیہ کے علماء کی تحریرات میں بھی روضہ رسول ﷺ پر صلاۃ وسلام کے مخاطب کے صریح صیغے ملے۔ اور خود پاکستان میں موجود تمام بڑے بڑے حضرات کی تصریحات کچھ اس طرح ملیں۔ مثلاً:

پاکستان میں علمائے دیوبند کے بہت بڑے نمائندہ ادارے جامعہ دارالعلوم کراچی تعلیمی سلسلے میں جانا ہوا۔ یہاں تو بعض خوش فہم لوگوں سے سن رکھا تھا کہ مفتی تقی عثمانی صاحب بھی عقیدہ ممات کے حامی ہیں۔ لیکن وہاں جا کر دیکھا تو معاملہ ہی برعکس تھا۔ کیونکہ وہاں کی تو صورت حال یہ تھی کہ اگر کسی طالب علم کے بارے میں مماتی ہونے کا الزام ثابت ہوجاتا تھا اسے تحقیق کے بعد فوراً مدرسے سے نکال دیا جاتا تھا کہ جب تمہارے نظریات اساتذہ سے نہیں ملتے تو تمہیں علم کا کیا فائدہ ہوگا۔ ان حضرات کا یہ اخراج والا عمل غلط یا صحیح اس سے قطع نظر اتنا تو ثابت ہوا کہ ہمارے اس حقانی عقیدے کے لیے ان کے ہاں کسی درجے میں بھی نرم گوشہ نہیں۔ اسی طرح جامعہ فاروقیہ کے شیخ الحدیث اور مہتمم مولانا سلیم اللہ خان صاحب کے بارے میں تواتر سے سنا کہ مولانا یہ فرماتے اور اعلان کرتے ہیں کہ میرے مدرسے کا کھانا بھی مماتیوں کے لیے حلال نہیں۔ اسی طرح مولانا عبدالرشید نعمانی صاحب کے برادر، مولانا عبدالحلیم چشتی صاحب تلمیذ رشید شیخ العرب والعجم حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ سے اجازت حدیث لی تو انہوں نے سند دینے سے پہلے یہ شرط رکھی کہ میری طرف سے مماتیوں کو قطعاً اجازت حدیث نہیں۔ غالباً انہی دنوں کی بات ہے کہ اپنے حفظ کے مدرسے کے مہتمم صاحب، (جہاں سے ہم نے نقش اول حاصل کیا تھا، اور جو پہلے بھی فریقین کو حق پر سمجھتے تھے ان کے) بارے میں ان کے ایک شاگرد اور اپنے معتمد ساتھی کے حوالے سے معلوم ہوا کہ انہوں نے اپنی علالت کے

آخری ایام میں مجھ سے فرمایا تھا:

''میں تو اب اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ میں نہ حیاتی ہوں اور نہ مماتی''

ان کی طرف سے اپنی ذات سے مماتیت کی نفی بھی ہمارے لیے اچھے خاصے سوالیہ نشان کی صورت میں نقطۂ تحول بن گئی۔ کہ صریح قطعی قرآنی نصوص اور اٹھارہ سو احادیث پر مشتمل عقیدہ حقہ سے ایسے انداز سے دستبرداری ہے تو کیوں؟

آخری مرحلہ:

ہمارا نظریاتی سفر شروع سے لے کر اب تک کہاں تھا، اس کا اندازہ تو قارئین ہی کر سکتے ہیں، البتہ ہمیں اتنا یاد ہے کہ اب تک کوئی ظاہری دلیل، تعارض یا کوئی کشمکش اور اس سابقہ نظریئے کی طرف اپیل تو نہیں تھی، تاہم یہ سب کچھ عقل و دانش کے درجے میں تھا، ابھی تک دل اس سے شاید بیگانہ تھا یا یوں کہیں ابھی تک ایمان تو ہو چکا تھا، اطمینان اور انشراح باقی تھا، یا آپ یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ تا حال سابقہ نظریئے کے بہت دھندلے سے نقوش یا اثرات اور اسکی تلچھٹ کے جراثیم کا بالکلیہ خاتمہ نہیں ہوا تھا اور یہ شاید ہوتا بھی نہ اگر ہم اس مرحلے پر ایک مردِ درویش اور صاحبِ نسبت کی خدمت میں نہ پہنچتے۔ کیونکہ عقلی دلائل تو تمام ہو چکے تھے وہ جو کچھ کر سکتے تھے کر چکے تھے۔ اب تو مرحلہ کچھ آگے کا تھا، ایک طرف لگنے کا تھا، خلش دور کرنے کا تھا، اطمینان وانشراح کا تھا۔ اور اس مرحلے کی تقریب یوں ہوئی کہ ہم لوگ یعنی میں اور میرے کچھ ایک دو اور ساتھی جو کہ تقریباً میرے والی ہی کیفیت میں تھے، ایک روز لاہور قیام کے دنوں میں ایک صاحب نسبت اللہ والے کی خدمت میں بیعت کے لیے حاضر ہوئے۔ پہلی مجلس میں بیعت ہوئے۔ اس موقع پر حضرت نے پہلے درود شریف کی تسبیح کا کہا اور پھر ٹھنڈا سانس بھر کر اپنے مخصوص شیریں لہجے میں فرمایا:

''کثرت سے درود پڑھا کرو پوری دنیا بھی ملکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے احسانات کا بدلہ نہیں دے سکتی''

یہاں بظاہر ایسی کوئی بات تو نہ ہوئی مگر مجھے لگا کہ اب کا درود پڑھنا پہلے سے مختلف ہے۔ دوسری مجلس میں حاضری ہوئی تو والہانہ عقیدت ومحبت کے ساتھ درود کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا:

''جو درود یہاں سے پڑھا جائے وہ فرشتے پہنچاتے ہیں اور جو مواجہہ شریف سے پڑھا جائے تو آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم خود بنفس نفیس سنتے ہیں۔ خود سنتے ہیں۔ ہمارا عقیدہ ہے''۔

آخر کے دو جملے حضرت نے ایسے زور سے کہے جیسے کسی چیز پر ضرب لگائی جاتی ہے اور ان دو جملوں میں پتہ نہیں کیا تھا؟ برق کی تاثیر تھی یا کیا تھا؟ اور حضرت نے ان پر اتنا زور کیوں دیا؟

وہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوت ہادی

(دلوں) کی زمیں جس نے ساری ہلا دی

مجھے یوں لگا کہ آج سے حقیقتاً میرے اَفکار کے پیمانے بدل گئے ہیں۔ اور آج سے مجھے ایک نئی زندگی ملی ہے۔ تو یوں دلائل اور عقلی کشمکش کا ایک طویل سفر آخر میں ایک سکینت بھری اطمینانی لہر کے ساتھ ہمیں شاہراہ حیات پر لایا اور ہم نے ''آب حیات'' کے جام چڑھائے۔

﴿الحمد لله الذى أحيانا بعد ما أماتنا وإليه النشور﴾

ہمارا یہ نظریاتی سفر صحیح سمت پر ہوا یا غلط پر؟ اس سوال کے جواب میں تو ہمارے بہت سے مماتی اور اشاعتی احباب کے لیے بہت کچھ کہنے سننے کی گنجائش ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ شخصیت پرستی اور بزرگوں بزرگوں کی رٹ کو چھوڑ کر آزادانہ تحقیق کی شاہراہ پر چلنے والے کسی بھی مسافر کو جب ایسے مراحل اور ایسے ایسے حوادثات پیش آئیں جو ہمیں آئے (اور یقیناً علم کے ہر متلاشی کو وہ ضرور پیش آتے ہیں) تو وہ اس کے علاوہ کیا کرے جو ہم نے کیا؟؟

وفا کیسی؟ کہاں کا عشق؟ جب سر پھوڑنا ٹھہرا
تو پھر اے سنگ دل تیرا ہی سنگِ آستاں کیوں ہو

☆......☆......☆......☆

مولانا ابوایوب قادری مدظلہ

بریلویوں کی عید میلاد النبی کے متعلق چند باتیں

پہلی بات:

سرکار طیبہ صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے خداوند قدوس نے حرمین شریفین والوں کو عزت وشرف سے نوازا ہے اور ان لوگوں کو اتنا نوازا ہے کہ بریلوی حضرات بھی لکھنے پر مجبور ہو گئے کہ:

''ان الدین عنداللہ الاسلام '' وہی دین اسلام مراد ہے جو حجاز میں قائم ہے۔صحیح مسلم میں ایک حدیث میں آیا ہے کہ: تحقیق شیطان ناامید ہو گیا اِس بات سے کہ عبادت کریں لوگ اس کی جزیرۂ عرب میں''لایزال أھل العرب ظاھرین علی الحق حتی تقوم الساعة ''یعنی عرب کے لوگ ہمیشہ دین حق پر قائم رہیں گے یہاں تک کہ قیامت ہو جاوے گی۔یہ حدیث مسلم میں موجود ہے۔

پس ثابت ہوا کہ عرب وحجاز اور مدینہ طیبہ ایمان کا گھر ہے اور بفضلہ تعالیٰ ہمیشہ رہے گا،اَب عرب وحجاز اور مدینہ منورہ کے باشندوں کا مذہب دیکھنا چاہیے جو مذہب ان کا ہو وہی حق ہے۔''

(اَنوارِ شریعت:۲/۲۶)

مولوی نقی علی خان صاحب لکھتے ہیں:

''دائمًا ایمان وہاں رہے گا اور کفر وشرک کو دخل نہ ہو گا اور جن لوگوں کی حضور اعلیٰ عالم سے پہلے شفاعت کریں گے اور انہیں اپنا ہمسایہ فرمایا اور امت کو ان کی پاس داری اور حفظ مراتب کا حکم دیا۔''

(اصول ارشاد:۱۹۹)

آگے لکھتے ہیں:

''ان کے عقائد واعمال کو بلا دلیل شرع کس طرح گناہ ومعصیت وبدعت وضلالت سمجھیں۔''(۲۰۰)

جب اکابر بریلویہ کے فتاویٰ کی روشنی میں اہلِ عرب کی اتباع اور اطاعت کا حکم ہے اور اپنے عقائد ونظریات میں انہی کو دیکھنے کا حکم ہے اور جس اسلام کو خدا نے مسلمانوں کے لیے پسند کیا ہے وہی ہے جو عرب وحجاز میں رائج ومعمول بہا ہے تو پھر آیئے سنیے کہ علماء حرمین شریفین کا فتویٰ کیا ہے۔

سعودیہ کے مفتی اعظم کی طرف سے دیئے گئے فتویٰ میں لکھا ہے کہ:

''محفل میلاد منعقد کرنا غلط اور شریعت میں ناجائز ہے۔[العطایا الأحمدیه:۱۲/۳]

اس فتویٰ کے صفحہ نمبر ۳ پر لکھا ہوا ہے کہ:

''عید میلادالنبی کے نام پر محفلیں منعقد کرنا شرعاً ناجائز ہے، اُن کا اہتمام سراسر بدعت اور دین میں نئی اختراع ہے، اس لیے کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم، خلفاء راشدین، تبع تابعین سے ایسا کوئی واقعہ ثابت نہیں۔'' [العطایاالأحمدیہ: ۳/۳۷]

اور صفحہ ۸ پر ہے کہ:

''اگر محفل میلاد منعقد کرنا دین الٰہی کا حصہ ہوتا تو یقیناً نبی کریم اس کے انعقاد کا امت کو حکم دیتے یا اپنی حیات میں خود ایسی محفلیں منعقد کرتے یا صحابہ کرام محفل میلاد کا اہتمام کرتے۔'' [ایضًا: ۳/۳۹]

جبکہ صفحہ نمبر ۱۲ پر درج ہے کہ:

''یہ عید میلا بدعت ہونے کے ساتھ ساتھ منکرات کو بھی اپنے اندر بہت لیے ہوئے ہے۔ مثلاً مرد وزن کا اختلاط، آلات موسیقی کا استعمال، طبلے ڈھولک کی تال پر نوجوانوں کا رقص وغیرہ۔'' [ایضًا، ۳/۳۹]

حرمین شریفین کے مفتی اعظم کا فتوی آپ نے ملاحظہ فرمایا، اَب اِن حضرات کی خدمت میں عرض ہے کہ اپنے اکابر کی بات جو پیچھے گذر چکی ہے، پر عمل کرتے ہوئے اِس فتویٰ کو دیکھیں اور اِس پر عمل کریں۔

بریلوی حضرات کو چاہیے کہ یا تو وہ اپنے اکابر مولوی نقی علی خان، فاضل بریلوی، نظام الدین ملتانی کو جھوٹا کہیں یا پھر عید میلاد کے نام پر جشن ورقص وسرور وغیرہ سب بدعات ورسومات کو ترک کردیں۔

دوسری بات:

بریلوی حضرات اس موقعہ پر عید مناتے ہیں جبکہ محققین نے عید اپنی طرف سے کسی دن کو بنا لینے سے منع فرمایا ہے: مثلاً شیخ احمد رومیؒ لکھتے ہیں:

''طاؤسؒ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا ہے کہ کسی مہینے یا کسی دن کو عید مت بناؤ، اور اس کی اصل یہ ہے کہ مسلمانوں کو جائز نہیں کہ کسی وقت کو عید بنائیں، مگر ہاں وہی جسے شریعت نے عید بنادیا ہے اور یہ ہر ہفتہ میں جمعہ کا دن اور سال بھر میں عید، بقرعید اور ایام تشریق کے دن ہیں۔ (چھوٹی اور بڑی عید کے دن) ان کے سوا کسی زمانہ کو عید بنانا بدعت ہے، جس کی کوئی اصل شریعت محمدیہ میں نہیں ہے بلکہ مشرکوں کی عید ہے۔'' [مجالس الابرار، مجلس نمبر ۱۹]

اس کی کتاب کی تصدیق اور توثیق شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے ''فتاویٰ عزیزی'' میں کی ہے، معلوم ہوگیا کہ اپنی طرف سے کسی وقت کو عید نہیں بنایا جاسکتا ہے، بلکہ بقول شیخ رومی مشرکین نے کئی عیدیں بنا رکھیں تھیں، مسلمان کے یہ شایان شان نہیں کہ وہ اپنی مرضی سے کسی دن یا وقت کو عید قرار دے۔

تیسری بات:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کی خوشی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی تھی اور اِن بریلوی حضرات اصرار ہے کہ ہمیں بھی محبت ہے۔ اَب دیکھنا یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ نے آپ کی ولادت مبارکہ پر خوشی منانے کے

لیے یہ بریلویوں والی صورتیں اختیار کی ہیں یا آپ علیہ السلام کی اطاعت واتباع پر اپنی جانیں قربان کردی ہیں؟ اَب ہم ذخیرہ احادیث وکتب سیر وغیرہا میں دیکھتے ہیں کہ آپ علیہ السلام کی ولادت کی خوشی میں نہ تو صحابہ کرام نے کسی دن کو عید قرار دیا، نہ اس خوشی میں رقص وبھنگڑا ڈالا، نہ بازار سجائے، نہ جھنڈیاں لگائیں، نہ کئی کئی من کے کیک بنوا کر کاٹے، نہ جلوس نکالے، نہ ڈھول بجوائے اور نہ ہی لاکھوں کروڑوں روپے پھونک کر بازاروں کے چکر لگائے۔ وہی بازار جو اللہ تعالیٰ کو تمام جگہوں سے زیادہ مبغوض ہیں۔ (یہ بھی حیرت ہے کہ ایسی مبغوض ترین جگہ پر ہی عبادت کی جائے۔)

لیکن سرکار طیبہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش مبارک پر خوشی ضرور ہے۔ اور وہ اسی خوشی کی وجہ سے آپ کے فرامین پر جان تک قربان کرنے کے لیے تیار رہتے تھے، لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ آج کل کی خوشی اس خوشی کے برعکس ہے، اِطاعت واتباع کی بجائے جھنڈیاں لگانے، بازار سجانے، رقص کرنے، ڈھول پیٹنے، کیک کاٹنے، جلوس نکالنے اور دیگر کئی غیر شرعی افعال کرنے پر زور دیا جاتا ہے۔ اور اطاعت واتباع کی گویا ضرورت ہی نہیں سمجھی جاتی۔ اور اس بات کا بریلوی حضرات کو خود بھی اعتراف ہے کہ:

''اصل میں ہمارے نعت خوان اور خطباء نے ''فاتبعونی'' کو غائب ہی کر دیا ہے۔ [مقالات شرف قادری: ۵۶۷]

یعنی آپ ﷺ کی اتباع بریلویوں کے ہاں بالکل مفقود وغائب ہے۔

ہم مزید حوالے بھی حاضر کیے دیتے ہیں کہ بریلویوں کو اعتراف ہے کہ ہمیں اتباع کی توفیق نہیں ہے، مثلاً: شرف قادری صاحب لکھتے ہیں:

''ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی دعا کرتے ہیں بلکہ محبت کے دعویدار ہیں اور یہ نعرہ لگاتے ہیں: ''غلامی رسول میں موت بھی قبول ہے''، لیکن ہمیں یہ خبر ہی نہیں کہ محبت کا مطلوب کیا ہے؟ محبت یہ ہے کہ محبوب کے ساتھ ایسا تعلق خاطر ہو کہ انسان محبوب کا فرماں بردار ہو، اس کے اشارۂ آبرو پر اپنا سب کچھ نچھاور کرنے کو تیار ہو۔'' [مقالات شرف قادری: ۲۳۹]

علامہ غلام رسول سعیدی بریلوی لکھتے ہیں:

''بعض غیر معتدل لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیدت کے اظہار میں غلو کرتے ہیں، نماز، روزہ اور دیگر فرائض باقاعدگی سے ادا نہیں کرتے اور عید میلاد کے جلوس کو باقاعدہ میلوں ٹھیلوں کی طرح نکالتے ہیں۔'' [تبیان القرآن: ۲۹۳/۱]

پروفیسر عون محمد سعیدی صاحب دعوت اسلامی، جماعت اہل سنت، منہاج القرآن، تنظیم المدارس اور دیگر بریلوی مشائخ کو خطاب کر کے لکھتے ہیں:

''یقیناً آپ ''یاایھا الذین أمنوا ادخلوا فی السلم کافۃ'' پر عمل نہیں کر رہے، یقیناً آپ کے ذہن

میں اسلام کا محدود تصور پایا جاتا ہے، یقیناً آپ مکمل ضابطہ حیات کے مفہوم سے آگاہ نہیں ہیں، یقیناً آپ اسوۂ حسنہ کو چھوڑ بیٹھے۔'' [کاروباری پیر اور زوال اہل سنت]

یہ مضامین بریلوی اکابر نے اپنے لوگوں کو صحیح راہ نمائی کے لیے لکھے ہیں۔ صحابہ کرام کے ہاں اتباع تھی موجودہ ایجادات نہیں تھیں۔ یہاں ایجادات ہیں اتباع نہیں ۔ فیصلہ فرمایئے کس کی محبت کو صحیح قرار دیا جائے۔ ہم یہ فیصلہ بھی انہی کے گھر سے کراتے ہیں: شرف صاحب لکھتے ہیں:

کسی آدمی کو مخاطب کر کے:

''آج بہت سے ایسے لوگ دیکھنے میں آرہے ہیں جو نبی الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے دعویدار ہیں، انہیں معلوم نہیں کہ محبت کسے کہتے ہیں اور اس کے طریقے اور تقاضے کیا ہیں، آپ نے صحابہ کرام کے کردار سے محبت کے انداز پیش کر کے عامۃ المسلمین کی صحیح راہ نمائی کی ہے۔''

[شرف ملت نمبر ۷۷]

اس خط کشیدہ عبارت سے ثابت ہو رہا ہے کہ صحابہ کرام کا طرزِ محبت ہی مسلمانوں کے لیے صحیح راہ ہے۔ اور صحابہ کرام سے ''محفل میلاد'' سمیت مروجہ افعال میں سے کوئی بھی ثابت نہیں۔ لہٰذا درست رویہ یہی ہے کہ صحابہ کرام کے طریقے پر چلتے ہوئے خوشی منانے کی بجائے اتباع پیغمبر کا اہتمام کیا جائے۔ ☆☆

وفیات

......شیخ الاسلام حضرت مدنی رحمہ اللہ کے خادم سفر و حضر، حضرت مولانا مجاہد الحسینی رحمہ اللہ

......مولانا انیس شاہ صاحب کی والدہ اور حضرت مولانا محمد حسن مدظلہم [لاہور] کی خوشدامن صاحبہ

......پیر طریقت حضرت مولانا میاں سراج احمد رحمہ اللہ [خانقاہ دین پور شریف، ضلع رحیم یار خان]

......حضرت مولانا قاسم دین پوری رحمہ اللہ

......سانحہ پشاور کے تقریباً ڈیڑھ سو شہداء

......مولانا محمد معاذ صاحب [سوات] کی دادی محترمہ

......حضرت مولانا زاہد الراشدی مدظلہم کے برادرِ نسبتی

......حضرت مولانا عبدالمالک رحمہ اللہ [کوئٹہ]

......حضرت مولانا خالد محمود سومرو شہید رحمہ اللہ

قارئین سے مرحومین کے لیے مغفرت اور پسماندگان کے لیے صبر جمیل کی دعا کی درخواست ہے۔

مولانا عبدالجبار سلفی، لاہور

مولانا صلاح الدین یوسف صاحب کی خدمت میں!

(قسط اول)

تکفیر شیعہ کے موضوع پر راقم الحروف کا ایک مضمون ماہنامہ الشریعہ گوجرانوالہ میں بابت جولائی، اگست ۲۰۱۳ء دو قسطوں میں شائع ہوا جو دراصل ایک معروف عالم دین کی غلط فہمی کے ازالہ کے طور پر سپرد قلم کیا گیا تھا۔ بعدازاں یہ مضمون ماہنامہ حق چاریار اور ماہنامہ صفدر میں بھی شائع ہوا۔

اس مضمون نے شیعہ علماء میں ہل چل مچائی جو کہ فطری اور یقینی تھی، چنانچہ تین عدد شیعہ رسائل ماہنامہ ''افکارِ العارف'' لاہور، ماہنامہ ''دقائق اسلام'' سرگودھا اور ماہنامہ ''مخزن'' ملتان میں قسط وار مضمون بعنوان ''اعتراضات کی آندھیوں میں تحقیق کے چراغ'' جامعة الکوثر اسلام آباد کے ایک مدرس صاحب کے قلم سے شائع ہونا شروع ہوا۔ ساتھ ہی راقم الحروف نے جواب الجواب کے طور پر قسط وار مضمون بعنوان ''تلبیسات کے اندھیروں میں حقیقت کے چراغ'' ماہنامہ ''حق چاریار'' لاہور میں لکھنا شروع کر دیا۔ دونوں مضامین تادم سطور جاری ہیں اور دیکھیں کشتی کہاں کنارے لگتی ہے......!!

ہمارے ''الشریعہ'' میں شائع ہونے والے مضمون پر بطور تبصرہ جناب مولانا صلاح الدین یوسف صاحب کے دو عدد مکاتیب بعدازاں الشریعہ میں شائع ہوئے تھے جن میں مولانا صاحب نے جہاں ہمارے موقف کی دل و جان سے تائید و تصویب فرمائی وہاں کچھ شکوہ و شکایات بھی کیں۔ اب حال ہی میں ان کے وہ خطوط اضافہ جات کے ساتھ مسلک اہل حدیث کے ہفت روزہ ترجمان ''الاعتصام'' لاہور میں اکتوبر کے آخری اور نومبر ۲۰۱۴ء کے پہلے ہفتہ کی اشاعتوں میں شائع ہوئے ہیں جن کا عنوان ''مسئلہ حیات النبی، ایک وضاحت'' ہے۔

محترم مولانا صلاح الدین یوسف صاحب رقمطراز ہیں:

> ''مولانا عبدالجبار سلفی لاہور کا شیعوں کے کفریہ عقائد کی وضاحت پر ایک مضمون شائع ہوا ہے جو ان کی ایمانی غیرت اور دینی حمیت کا غماز ہے، لیکن اس میں ایک پیرا پڑھ کر سخت تعجب ہوا کیونکہ وہ واقعہ کے خلاف ہے، وہ پیرا حسب ذیل ہے:
>
> ''اگر کہا جائے کہ تقلید ائمہ کے بغیر عوام کے لیے دین پر چلنا مشکل ہے اور تارکین تقلید گمراہ

ہیں، اس پر جب تارکین تقلید کی نشاندہی کروائی جائے گی تو سوائے غیر مقلدین کے کس کا نام لیا جائے گا؟ جنھیں اہل حدیث کہا جاتا ہے۔ اسی طرح اگر کہا جائے کہ حضور اکرم ﷺ کی بعد از وفات برزخی حیات پر پوری امت کا اجماع ہے اور اس کا انکار نظریہ اہل سنت سے مفروری ہے اور جب پوچھا جائے گا کہ یہ کون لوگ ہیں جو انبیاء کی برزخی حیات کے منکر ہیں تو کم از کم ہمارے وطن پاکستان میں مولانا سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری اور ان کے غالی معتقدین کا نام لیا جائے گا''۔[الشریعہ، ص:۳۶]

اس پیرے میں اہل حدیث پر جو کرم فرمائی کی گئی ہے اس پر گفتگو مقصود نہیں، اہل حدیث پر یہ کرم فرمائیاں صدیوں سے جاری ہیں، البتہ اس میں شدت ڈیڑھ صدی قبل جب دار العلوم دیوبند کا قیام عمل میں آیا اس وقت سے آئی ہے۔ البتہ فاضل مضمون نگار سے ایک سوال کرنے کو ضرور جی چاہتا ہے کہ صحابہؓ وتابعین کے دور میں کیا تقلید کا وجود تھا؟ اگر نہیں تھا اور یقیناً نہیں تھا تو کیا اس وقت عام لوگوں نے دین پر مکمل عمل نہیں کیا؟ کیا دین پر عمل کرنے میں واقعی مشکلات پیش آئیں؟ محض اس وجہ سے کہ اس وقت تقلید ائمہ کا سلسلہ نہیں تھا اور آج بھی الحمد للہ کروڑوں اہل حدیث تقلید ائمہ کے بغیر دین پر بغیر کسی مشکل کے مکمل عمل کر رہے ہیں، کیونکہ دین پر عمل کرنے کے لیے تقلید شخصی ضروری نہیں صرف علمائے دین کی طرف مراجعت ضروری ہے اور یہ عوام کے لیے ناگزیر ہے اور اہل حدیث عوام فاسئلو اھل الذکر ان کنتم لاتعلمون کے تحت علماء سے دینی معلومات حاصل کر کے دین پر عمل کرتے ہیں۔ الخ۔[الاعتصام، لاہور، ۲۴ تا ۳۰/اکتوبر ۲۰۱۴، ص:۲۴]

تبصرہ:

مولانا صلاح الدین یوسف صاحب کے نام سے شناسائی ان کی ضخیم کتاب ''خلافت وملوکیت کی تاریخی وشرعی حیثیت'' پڑھ کر ہوئی تھی جو مودودی صاحب کی کتاب ''خلافت وملوکیت'' کے جواب میں لکھی گئی تھی۔ مودودی صاحب کی کتاب اور پھر اس کی تردید میں لکھی جانے والی کتب میں سے چند کتب کا تقابلی مطالعہ کچھ عرصہ میرا ذوق رہا۔ مثلاً:

۱......''اظہار حقیقت'' از: مولانا محمد اسحٰق سندیلوی

۲......''حقیقت خلافت وملوکیت'' از: محمود احمد عباسی

۳......''امامت وملوکیت'' از: محمد حسین بخش جاڑا (شیعہ مجتہد)

۴......''خلافت وملوکیت کی تاریخی وشرعی حیثیت'' از: مولانا صلاح الدین یوسف

۵......''عادلانہ دفاع'' از: مولانا نور الحسن شاہ بخاری

۶......''حضرت امیر معاویہؓ اور تاریخی حقائق'' از: مولانا مفتی محمد تقی عثمانی

۷......''عدالت حضرات صحابہ کرامؓ ''از: مولانا مہر محمدؒ میانوالوی

پھر ان تردیدی کتب میں سے بھی بعض مستقل فتنہ ثابت ہوئیں جیسے محمود احمد عباسی کی کتابیں' اور بعض راہ اعتدال سے منحرف ہوئیں، جیسے مولانا محمد اسحٰق سندیلویؒ کی اظہار حقیقت، اس کی تردید میں قائد اہل سنت حضرت اقدس مولانا قاضی مظہر حسینؒ کو دو ضخیم جلدوں میں ''خارجی فتنہ'' اور ایک ضخیم کتاب ''کشف خارجیت'' لکھنا پڑی۔ اور مولانا حسین بخش جاڑا شیعہ مجتہد بے چارے تو پیدائشی فتنہ باز تھے۔ انہوں نے اپنی ''امامت وملوکیت'' میں کام کی باتیں تو کوئی دو چار ہی لکھی ہیں، باقی سب اصحابِ رسول پر تبرا ہے۔ پھر ان کتابوں پر تبصرہ نگاروں کے لفظی غبارے اور تائید وتردید میں مختلف مقالات بھی دلچسپی سے خالی نہیں تھے۔ عامر عثمانی، مولانا ماہر القادری، نعیم صدیقی اور ان حضرات جیسے لاتعداد لوگوں نے جو مضامین کے انبار لگائے تھے ان سب کا تقابلی مطالعہ کرنے کے بعد راقم الحروف نے حضرت اقدس قاضی صاحبؒ کی معتدل فکر پر اپنی دماغی پہنائیاں قربان کر دیں اور غور کرنے سے محسوس ہوا کہ مولانا صلاح الدین یوسف کی کتاب عظمت صحابہ اور مشاجرات صحابہ کے حوالہ سے چند ایک مقامات کے علاوہ قریب قریب مسلکِ اعتدال پر مبنی ہے۔ جنگ جمل وصفین میں فقہاء وعلماء کے جم غفیر کا نظریہ ہے کہ ان میں سیدنا حضرت علیؓ حق وصواب پر اور سیدنا حضرت امیر معاویہؓ خطائے اجتہادی پر تھے، مگر مولانا صلاح الدین صاحب نے اس میں جمہور سے ہٹ کر لکھا ہے اور باوجود یکہ ان کے استاذ محترم مولانا محمد عطاء اللہ حنیف صاحبؒ بھوجیانی نے بوقتِ نظر ثانی انہیں تبدیلی کا حکم دیا تھا۔ مگر مولانا صلاح الدین صاحب نے ان کی خواہش کو نظر انداز فرما دیا اور لطیفہ یہ ہے کہ جناب مولانا صلاح الدین یوسف صاحب خود بھی اپنی اس تحریر کے متعلق فرماتے ہیں'' کہ اس میں اہل سنت کے متفقہ مسلک سے کچھ انحراف ہے۔''

[بحوالہ: الاعتصام کا مولانا عطاء اللہ بھوجیانیؒ نمبر، ص:۴۷۸، مارچ ۲۰۰۵ طبع اوّل]

یہ تفصیل عرض کرنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ کوئی بھی سنی عالم دین (بلا تفریق مسلک) جب حضرات صحابہ کرام اور ازواج مطہرات کی شرعی عظمتوں کے دفاع میں قلم اور قدم اٹھاتا ہے تو ہم ان کے جوتے اٹھانا اپنے لیے سعادت سمجھتے ہیں، لیکن حیران کن بات یہ ہے کہ آج سے چالیس سال پہلے مولانا صلاح الدین صاحب اپنے حریف کے لیے خواہ اس سے اصولی اختلاف کیوں نہ ہو ملائم اور نرم لب ولہجہ استعمال فرماتے تھے، مگر اب کچھ عرصہ سے اُن کے مضامین جو احناف کی تردید اور فقہی موضوعات پر شائع ہو رہے ہیں ان سے دل جلا دینے والی چنگاریاں اڑتی ہیں۔ ماہ نامہ ''محدث'' لاہور اور ''الاعتصام'' میں ان کی حالیہ نگارشات پڑھنے والوں پر کئی شکوے اور سوالات چھوڑ جاتی ہیں، اس لیے آپ کا یہ فرمانا کہ ''اہل حدیث

پر کرم فرمائیاں صدیوں سے جاری ہیں البتہ اس میں شدت ڈیڑھ صدی قبل جب دار العلوم دیو بند کا قیام عمل میں آیا اس وقت سے آئی ہے'' محض ان کا ایک چونچلا محسوس ہو رہا ہے، کیونکہ یہ کرم فرمائیاں تو خود اہل حدیث (بعض) دوستوں کی طرف سے بھی جاری رہتی ہیں۔ اور میرا خیال ہے کہ جب مسلک یا فکر متعین ہو تو پھر نفسِ اختلاف پر ہی توجہ دیتے ہوئے کم از کم اہل علم کو یہ ہلکی پھلکی باتیں نظر انداز کر دینی چاہئیں۔ مولانا صاحب اس حقیقت کو کیوں بھلانا چاہتے ہیں کہ آخر دار العلوم دیو بند ہی تو تھا جہاں حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ نے کسبِ فیض کیا اور حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ سے دورہ حدیث شریف کی تکمیل کی۔

[سیرۃ ثنائی۔ص:۱۲۰۔مصنف: مولانا عبدالمجید خادم سوہدروی، مطبوعہ: نعمانیہ کتب خانہ لاہور]

علاوہ ازیں دار العلوم دیو بند اور اس کے فضلا کے ساتھ رواداری اور ادب و احترام کی تلقین تو خود اکابر اہل حدیث فرماتے رہے، جیسا کہ مولانا عبدالجبار کھنڈیلویؒ کے متعلق ان کے سوانح نگار لکھتے ہیں کہ:

''علمائے احناف کا بے حد احترام سے ذکر فرماتے ہیں اور مختلف فیہ مسائل کے بارے میں بحوالہ ان کے ارشادات نقل کرتے ہیں اور پھر دردمندانہ لہجے میں اہل حدیث اور احناف سے مسلکی اختلاف برداشت کرنے کی تلقین فرماتے ہیں''۔[دبستان حدیث، ص:۳۱۱، مطبوعہ مکتبہ قدسیہ لاہور]

اور اسی کتاب میں ہے کہ مولانا سید داؤ غزنویؒ نے اپنے دو ہونہار شاگرد مولانا عبدالرشید گوہڑوی اور مولانا عبدالرشید اسلام پوری کو جامعہ اشرفیہ لاہور میں خود داخل کروایا تھا جب بانی جامعہ حضرت مولانا مفتی محمد حسن امرتسریؒ حیات تھے۔[ص:۵۱۲]

حضرت لاہوری کے بابِ علم پہ دستک:

معروف اہل حدیث خاندان کے چشم و چراغ مولانا معین الدین لکھویؒ کے متعلق اہل حدیث دوستوں نے خود لکھا ہے کہ مشرقی پنجاب کے لکھوی خاندان کے جلیل القدر رکن اور جماعت اہل حدیث کے راہنما مولانا معین الدین لکھویؒ نے بھی مولانا احمد علی لاہوریؒ کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا، حالانکہ خود ان کے آباؤ اجداد کا بہت بڑا مدرسہ تھا اور ان کے پردادا مولانا حافظ محمد لکھویؒ پنجاب کے ہم پلے عالم ہیں جنہوں نے تفسیر محمدی کے نام سے سات جلدوں میں پنجابی نظم اور فارسی نثر کے حواشی میں قرآن مجید کی تفسیر لکھی، یہ تفسیر کئی دفعہ زیورِ طبع سے آراستہ ہو چکی ہے، لیکن اس کے باوجود مولانا معین الدین لکھویؒ نے مفسر قرآن حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کے بابِ علم پہ دستک دی۔[نقوش عظمتِ رفتہ، ص:۳۷۷ مطبوعہ مکتبہ قدوسیہ لاہور]

معروف اہل حدیث عالم مولانا سلطان محمودؒ محدث جلالپوری نے بھی دار العلوم دیو بند کے فاضل علامہ حبیب اللہ گمانویؒ سے کسبِ فیض کیا تھا۔[مولانا سلطان محمودؒ حیات، خدمات، آثار۔ص:۳۵۴ مطبوعہ: اثری

ادارہ نشر وتالیف جلالپور پیروالا] یہاں دارالعلوم دیوبند سے فیض یافتہ (بالواسطہ یا بلاواسطہ) اہل حدیث علماء کی فہرست دینا ہمارا مقصد نہیں ہے۔ بطورِ نمونہ چند حوالے اس لیے دیے گئے کہ مولانا صلاح الدین یوسف صاحب دارالعلوم دیوبند کی اصل کرم فرمائیاں تو بیان ہی نہیں فرما رہے، جہاں تعلیم حاصل کر کے ان دوستوں کی خفتہ قسمت جاگی اور علمائے اہل سنت دیوبند کے ساتھ اکابر اہل حدیث کی محبتیں اور نسبتیں سمندر کی موجوں کی طرح کروٹیں لیتی رہیں۔ امید ہے مولانا صاحب اپنی اس رائے پر ضرور غور فرمائیں گے۔

باقی ان کا یہ ارشاد کہ ''اہل حدیث پر کرم فرمائیاں صدیوں سے جاری ہیں'' غالباً سہو قلم کا نتیجہ ہے، کیونکہ مولانا صاحب اپنی فکری عمر بہت لمبی کر کے پیش فرما رہے ہیں، اس لیے کہ مولانا محمد حسین بٹالوی (مرحوم) کی کوششوں سے لفظ وہابی کی سرکاری ودفتری کاغذات سے منسوخی اور اہل حدیث کی الاٹمنٹ کو کوئی زیادہ زمانہ نہیں گزرا، مزید معلومات کے لیے معروف محقق پروفیسر محمد ایوب قادری مرحوم کی کتاب ''جنگ آزادی'' حاشیہ ص:۶۴، مولانا مسعود عالم ندوی کی ''ہندوستان میں پہلی اسلامی تحریک'' ص:۲۱۲، اور مولانا عبدالمجید خادم کی سیرۃ ثنائی ص:۳۷۲ وغیرہم کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔ البتہ ایک حوالہ پڑھتے جایئے، مولانا سید سلیمان ندویؒ نے لکھا ہے کہ: ہندوستان میں اہل حدیث کے نام سے تحریک سید نذیر حسین دہلویؒ اور ان کے شاگردوں کے ذریعے سے شروع ہوئی۔ [حیاتِ شبلی، ۳۰۸/۱] اس لیے اہل السنۃ والجماعۃ کے تعلیمی ادارہ دارالعلوم دیوبند کو تو دیوبند میں قائم ہوئے واقعی ڈیڑھ صدی کا عرصہ ہو گیا ہے، لیکن مولانا صلاح الدین صاحب اپنی فکری عمر پر نظر ثانی فرمائیں تو نوازش ہوگی۔

اور علم حدیث کی سنداً یامتناً خدمت کرنے والے محدثین جنہیں کتب اسماء الرجال میں اصحاب الحدیث یا اہل الحدیث کہا گیا ہے' یہ سب کے سب یا ان کی غالب اکثریت کا تعلق ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک کے ساتھ ہے، لہٰذا ان سے اپنا قارورہ ملانا خوامخواہ کا تکلف اور اپنے ہی پیٹ میں گدگدی کرنے کے مترادف ہے۔ بہر حال! ایسی دلچسپ باتیں ہمارے بھائیوں کے لٹریچر میں بکثرت مل جاتی ہیں جنہیں پڑھ کر ان کے ساتھ ہماری محبت میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ مثال کے طور پر معروف اہل حدیث عالم مولانا سید محبّ اللہ راشدیؒ کی سوانح میں ان کے سترہ اساتذہ کے ناموں کی فہرست دی گئی ہے اور ساتھ ہی یہ تبصرہ بھی موجود ہے۔ ''دلچسپ بات یہ ہے کہ آپ کے اساتذہ میں سے چودہ حنفی مسلک کے ساتھ تھے، لیکن الحمدللہ آپ ایک دن تو کیا ایک لمحہ کے لیے بھی حنفی نہ بن سکے۔'' اور خود مولانا راشدیؒ اپنی خودنوشت حالات میں فرماتے ہیں کہ:

> ''ہمارے مدرسے میں حنفی علماء آتے رہے اور ہم ان کو رکھ لیتے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اہل حدیث علماء، مدرسین یہاں ہمارے مدرسہ میں آتے ہی نہیں اور جو آتے ہیں وہ بھی متوسط درجے کے ہوتے ہیں۔

عموماً علوم عالیہ میں حنفی علماء بہت ماہر ہوتے ہیں، ایک بار میں مولانا عطاء اللہ حنیف (مرحوم) کی زندگی میں لاہور گیا اور ان کے پوتے محترم حماد صاحب نے بتایا کہ وہ حنفیوں کے مدرسہ میں پڑھتا ہے، پوچھا کیوں؟ تو بتایا کہ اہل حدیث کے مدارس میں ان علوم میں مہارت رکھنے والے نہیں، اب ہم اگر کوئی حنفی عالم رکھ لیتے ہیں تو یہ لوگ کہنا شروع کر دیتے ہیں کہ دیکھو، یہ حنفیوں کا مدرسہ ہے، یہاں مدرسین حنفی ہی ہیں۔ اگر اچھے اہل حدیث مدرسین سے یہاں آنے کی درخواست کرتے ہیں تو وہ تیار ہی نہیں ہوتے اب صورتحال کا آخر کیا علاج کیا جائے؟ نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن

[مجلّہ بحر العلوم میر پور خاص کا محدث العصر نمبر،ص:۸۰۔۲۶۸ مطبوعہ ۲۰۱۱]

معیاری اہل حدیث نابود ہو گئے، مولانا محبّ اللہ راشدیؒ:

۱۹۹۴ء میں مولانا محبّ اللہ راشدی مرحوم نے ماہنامہ صراطِ مستقیم کراچی کو انٹرویو دیا تھا جو بعد ازاں ان کی سوانح حیات میں بھی شامل کیا گیا، ان سے اہل حدیث حضرات کی تعداد کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ:

''تعداد تو حوصلہ افزاء ہے، لیکن معیار لمحہ فکریہ فراہم کرتا ہے، اب پہلے جیسی بات تو نہیں جب اہل حدیث آٹے میں نمک کے برابر ہوتے تھے، ہر ضلع میں اہل حدیث مساجد موجود ہیں، لیکن معیار یہ ہے کہ ایک اہل حدیث صاحب سے میں نے پوچھا کہ آپ کا بیٹا بھی اہل حدیث ہے؟ بولے ہاں جی، کٹر اہل حدیث ہے، میں نے کہا تمہارا بیٹا نماز تو پڑھتا نہیں، کہنے لگے ہاں نماز تو نہیں پڑھتا مگر ہے پکا اہل حدیث۔ اب بتائیے کیا کہیں، میں نے سوچا اللہ کسی کو اتنا پکا اہل حدیث نہ بنائے۔

[محدث العصر نمبر،ص:۵۱۳، مجلّہ بحر العلوم سندھ، مطبوعہ ۲۰۱۱]

اس لیے ہمارے محترم مولانا صاحب کا فرمانا کہ ''آج بھی کروڑوں اہل حدیث تقلید ائمہ کے بغیر' بغیر کسی مشکل کے دین پر عمل پیرا ہیں'' یہ بھی کہیں فکریہ لحات میں تو نہیں آ رہا؟ کیونکہ احناف اور علمائے اہل سنت دیو بند پر جب تک اعتماد تھا اور ان کی خوشہ چینی ہوتی رہی تب تک تو اہل حدیث علماء میں مولانا عبد الجبار محدث کھنڈیلویؒ، مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ، مولانا شمس الحق ڈیانویؒ، مولانا غلام رسولؒ قلعہ میاں سنگھ والے، مولانا معین الدین لکھویؒ اور مولانا داؤد غزنویؒ جیسے اساطین علم وفضل پیدا ہوتے رہے اور جب سے علمی اصطلاحات کو علم وتحقیق کے سائے میں استعمال کرنے کی بجائے محض تعنّت اور تحقیر کا ذریعہ بنالیا گیا ہے، اہل دین ایک نشانہ مذاق بن کر رہ گئے ہیں۔ اب صورتحال یہ ہے کہ ایک سادہ لوح مسلمان جسے نماز جیسی عبادت کے بنیادی مسائل اور حلال وحرام کی کلی تمیز نہیں ہوتی وہ بھی اگر کسی کے منہ سے لفظ فقہ یا ''تقلید'' سن لے تو لٹھ اٹھا لیتا ہے، کیونکہ اس کے نزدیک یہ ایک گالی ہے جسے وہ سننا گوارا نہیں کرتا۔ اس کے ذمہ دار ہمارے بعض

اہل علم ہی ہیں جنہوں نے نفس مسئلہ اور محل اختلاف پر توجہ دینے کی بجائے حریف کو پٹخنیاں دینے میں ہی اپنا کمال سمجھا اور امت کے فکری و اخلاقی زوال اور تباہی سے انہیں کوئی سروکار نہ رہا۔

ہم نے اب تک کی سطور میں مولانا صاحب کو یہی دعوتِ فکر دی کہ دارالعلوم دیوبند کی علمی فکر فرمائیاں سب پر ہیں اور آپ انہیں اپنے حق میں مخالفت یا عناد پر محمول نہ کریں، بلکہ یہ علمی جھونکے ہر ایک کے مشام جاں نہال کر رہے ہیں، بلکہ خود مولانا صلاح الدین یوسف صاحب کے بقول کہ:

''انہوں نے کتابیں خریدنے کا آغاز ایک دیوبندی بزرگ کے فٹ پاتھ پہ لگائے گئے سٹال سے کیا تھا جو بندروڈ پر لگایا کرتے تھے، وہ دیوبندی بزرگ بعض اوقات ادھار پر بھی کتابیں سپرد کر دیتے۔''

[الاعتصام، مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانیؒ نمبر ص:۴۱۴ مطبوعہ مارچ ۲۰۰۵)

گویا امام اعظم ابوحنیفہؒ کی بصیرت و فقاہت سے مزین روشن دماغ سے لے کر بابا جی کے فٹ پاتھ تک احناف اور دارالعلوم دیوبند سے وابستگان ہی تو ہیں جو علم و فن کی خدمت کر رہے ہیں ؎

خدا رکھے بہت اونچا ہے فیضان نظر اس کا
بوقت فیض جس نے اپنے بیگانے نہیں دیکھے

تقلید شخصی:

مولانا صلاح الدین صاحب فرماتے ہیں کہ دین پر عمل کرنے کے لیے تقلید شخصی ضروری نہیں، صرف علمائے دین کی طرف مراجعت ضروری ہے اور یہ عوام کے لیے ناگزیر ہے اور اہل حدیث عوام فاسئلو اھل الذکر ان کنتم لا تعلمو ن کے تحت علماء سے دینی معلومات حاصل کر کے دین پر عمل کرتے ہیں، صحابہ کرامؓ و تابعین عظام کے دور کے لوگوں کا یہی طرز عمل تھا جس پر آج اہل حدیث عمل پیرا ہیں۔ اس کا نام اگر گمراہی ہے تو سوچ لیجئے کہ اس فتوے کی زد میں سب سے پہلے کون لوگ آئیں گے؟ اہل حدیث کے بارے میں آپ حضرات نے جو تصورات قائم کیے ہوئے ان کی بنیاد پر آپ بغیر تامل کے گمراہ ہونے کا فتویٰ عائد کر دیتے ہیں، وہ سب خلاف واقعہ، توہمات و مفروضات کا شاخسانہ اور ان کے عمل بالحدیث کے خلاف تعصب کا نتیجہ ہے۔

تبصرہ:

مولانا صلاح الدین صاحب کے اس اقتباس سے پتہ چلا کہ تقلید مطلق کے تو وہ بھی قائل ہیں، اب محل نزاع تقلیدِ شخصی رہ گئی۔ تو مطلق اور شخصی کو چھوڑ کر فقط لفظ تقلید کو بدنام کر کے عوام الناس کو شعلہ بداماں کرنا آخر کون سا انصاف ہے؟ مسائل کی حیثیت سے تقلید قرآن و سنت کا عنوان اور موضوع ہے، تقلید شخصی یہ

ہے کہ جملہ مسائل میں ایک ہی فقیہ کی طرف رجوع کیا جائے، آگے چلنے سے پہلے ہم عرض کریں کہ کیا مولانا صلاح الدین یوسف صاحب یہ کہنے کی جسارت کریں گے کہ فقہا چونکہ کلی یا جزوی طور پر کتاب وسنت سے آشنا نہ تھے لہٰذا ایک عام آدمی کا ان پر مکمل اعتماد کتاب وسنت سے دُوری کے مترادف ہے؟ یقیناً وہ ایسی بات نہیں کہیں گے اور اکابر اہل حدیث علماء کی کتابیں ان فقہا وائمہ کی مدح سرائی سے لبالب موجود ہیں۔ اہل حدیث دوستوں کی موجودہ روش کو صحابہ کرامؓ وتابعین عظام کے دور اور طرزِ عمل سے مماثل قرار دینا بھی درست نہیں کیونکہ اس امت کے پہلے دور میں سب کے سب صحابہؓ براہ راست حضور اکرم ﷺ سے فیض یافتہ تھے، مگر ہم دیکھتے ہیں کہ جماعت صحابہؓ میں بھی اکابر صحابہؓ کی پیروی کا التزام رہا ہے اور پھر دوسرے دور میں حضرات تابعین کی پیروی جاری رہی، البتہ یہ صحیح ہے کہ باضابطہ مذاہب مدون نہ ہوئے تھے۔ اس لیے یہ پیروی اور تقلید ان کے ناموں کے ساتھ معروف نہ ہوسکی تھی۔ ان دوادوار میں خیر اور عدل کا غلبہ تھا، لوگ خوف خدا اور رضائے مصطفیٰ ﷺ کی غرض سے مسائل کا علم حاصل کرتے تھے، مگر آہستہ آہستہ خواہشات اور سہل پسندی کی عادت پڑ گئی اور لوگ دین میں تسکین کی راہیں تلاش کرنے لگے تو ضرورت پڑی کہ اس خطرے اور خدشے کو کنٹرول کیا جائے، چنانچہ تکوینی طور پر اس کا آغاز امام اعظم ابوحنیفہؒ کی ذات والا بابرکات سے ہوا جنہوں نے فقہاء کے ایک جم غفیر کو ساتھ لے کر فقہی علوم کی تدوین کی۔ امام صاحبؒ کی وفات ۱۵۰ھ میں ہوئی، گویا دوسری صدی میں آپ کی تقلید مسلمانوں میں شروع ہو چکی تھی۔ اس کے سات سال بعد رحلت فرمانے والے علم وفضل کے نیر تاباں حضرت امام اوزاعیؒ کی تقلید پر اہل شام متفق ہو چکے تھے اور اس کے تقریباً بیس سال بعد انتقال فرمانے والے حضرت امام مالکؒ کی تقلید پر حجاز کے لوگوں کا انبوہ کثیر متفق ہو چکا تھا۔ کون کہہ سکتا ہے کہ ان شخصیات کی تقلید کرنے والے کتاب وسنت سے ہٹ کر کوئی عمل کر رہے تھے؟ اس لیے خاندان ولی اللہی کے چشم وچراغ حضرت شاہ محمد اسحٰقؒ فرماتے ہیں:

''ہرگز مقلد ایشاں رابدعتی نخواہند گفت، زیراکہ تقلید ایشاں تقلیدِ حدیث شریف است با اعتبار ظاہر وباطن پس متبع حدیث رابدعتی گفتن ضلال وموجب نکال است'' (ماۃ مسائل، ص:۹۲)

ترجمہ: چاروں ائمہ کے مقلدین کو بدعتی نہیں کہنا چاہیے، کیونکہ ان حضرات کی تقلید ظاہری اور باطنی اعتبار سے درحقیقت حدیث شریف کی ہی تقلید ہے۔ پس متبع حدیث کو بدعتی کہنا گمراہی اور مستوجب سزا ہے۔

(جاری ہے۔۔۔۔)

☆......☆......☆......☆

مولانا احسن خدامی

مشاہدات بجواب شواہدات

......قسط ۸......

''مشاہدات'' کے عنوان سے جناب حافظ اسامہ مدنی صاحب کے ارشادات کے جواب کا جو سلسلہ شروع کیا گیا تھا، ارادہ تھا کہ تین چار قسطوں میں اسے نمٹا دیا جائے گا، مگر بعض نئی باتیں ذہن میں آنے اور کچھ ناتجربہ کاری کی بنا پر تحریر کو سمیٹ نہ سکا، جس کی وجہ سے یہ سلسلہ طویل سے طویل تر ہوتا چلا جا رہا ہے۔ اس تطویل پر ہم قارئین کرام سے معذرت خواہ ہیں۔

پچھلی قسط میں ہم بالتفصیل جناب مولانا زاہد الراشدی صاحب کے اس مؤقف کی تردید کر چکے ہیں کہ قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیتوں، یعنی ذمیوں کے حقوق حاصل ہیں۔ مولانا زاہد الراشدی صاحب نے اپنے موقف کی بنیاد یہ پیش فرمائی تھی کہ یہ موقف دراصل علامہ اقبال کا تجویز کردہ ہے اور علامہ اقبال کی اِس تجویز کو علمائے کرام نے ''اِجتماعی طور پر'' قبول کر لیا تھا۔ علمائے کرام نے اِسے قبول کیا تھا یا نہیں؟ اور یہ تجویز قابلِ قبول اور قابلِ عمل ہے یا نہیں؟ اِس پر ہم قسطِ سابق میں بحث کر چکے ہیں۔

مجلّہ ''صفدر'' کے ایک قاری، جناب منصور الحق صاحب نے بندہ کی توجہ حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ کی کتاب ''تبصرے'' کے ایک اقتباس کی طرف دلائی ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ علامہ اقبال مرحوم کی طرف اس بات کا انتساب ہی غلط ہے کہ وہ قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیتوں کے حقوق دلانے کے حق میں تھے، بلکہ ان کے ہاتھ کے لکھے ہوئے خطوط اس بات کے شاہد ہیں کہ وہ بھی ساری امت کی طرح مرزا قادیانی کو واجب القتل ہی سمجھتے تھے۔ چنانچہ ''تبصرے'' کے حوالے سے علامہ اقبال کے خط کا ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیں: علامہ اقبال لکھتے ہیں:

> ''ختم نبوت کے معنی یہ ہیں کہ کوئی شخص بعد اسلام اگر یہ دعویٰ کرے کہ مجھ میں ہر دو اجزاءِ نبوت کے موجود ہیں، یعنی یہ کہ مجھے الہام وغیرہ ہوتا ہے اور میری جماعت میں داخل نہ ہونے والا کافر ہے تو وہ شخص کاذب ہے اور واجب القتل۔ مسیلمہ کذاب کو اسی بنا پر قتل کیا گیا، حالانکہ طبری لکھتا ہے: وہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا مصدق تھا، اور اس کی اذان میں حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی تصدیق تھی۔''

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ نے اِس پر تبصرہ فرماتے ہوئے لکھا ہے کہ:

''کچھ مغرب زدہ لوگ اس حوالے سے علامہ اقبال کے مؤقف کو توڑ مروڑ کر پیش کر رہے ہیں اور اس سلسلے میں خیانتوں اور بددیانتیوں سے بھی کام لے رہے ہیں۔'' [تبصرے، ص:۷۹]

علامہ اقبال کا خط اور اس پر حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب مدظلہ کا تبصرہ ملاحظہ فرما کر قارئین کرام فیصلہ فرمائیں کہ ہمارے مخدوم حضرت مولانا زاہد الراشدی صاحب اس باب میں کس کے ایجنڈے کو آگے بڑھا رہے ہیں۔

غامدیت نوازی:

غامدیت کے عنوان سے وطن عزیز میں برپا فتنہ، جو ایلیٹ کلاس طبقے اور شہرت وجدیدیت کے دلدادہ فضلائے مدارس کو اپنی گرفت میں لے رہا ہے، نیا فتنہ نہیں ہے۔ یہ درحقیقت قادیانیت، چکڑالویت، پرویزیت اور استشراق ہی کے فتنوں کا ایک تسلسل ہے اور اس کا کام انہی فتنوں کے چبائے ہوئے لقموں کو دیدہ زیب انداز میں دوبارہ پلیٹ میں سجا کر ان لوگوں کے سامنے پیش کرنا ہے جو قادیانیت و پرویزیت کے نام سے متنفر ہیں۔ وہی سرسید احمد خانی و پرویزی نظریات لفظی ہیر پھیر کے کرتبوں کے مرحلے سے گذر کر اور ''المورد'' کے غامدی بیوٹی پارلر میں تہذیب واخلاق کے غازے سے سنور کر جب ایک نئے سانچے میں ڈھلتے ہیں تو غامدیت وجود میں آجاتی ہے۔ محترم جناب غامدی صاحب جیسے بے شمار لوگ ہمارے ملک میں جوتیاں چٹخاتے پھرتے ہیں اور

کس نمی پرسد کہ بھیّا کون ہو؟ سیر ہو؟ یا پاؤ ہو؟ یا پون ہو؟

کی تصویر بنے ہوئے ہیں۔ غامدی صاحب بھی نائن الیون کے تاریخی واقعات سے قبل ان بے شمار لوگوں میں سے ہی ایک تھے اور کوئی خاص پہچان نہیں رکھتے تھے۔ تاہم جب نائن الیون کے واقعات پیش آئے، عالمی استعمار کو اسلام کے خلاف جنگ میں ایسے مسلمان کہلانے والے دانشوروں کی ضرورت پیش آئی جو مسلمانوں کی حمیت وغیرت کو بے غیرتی و بزدلی کا انجکشن لگا سکیں، اس 'سر پھری' قوم کے جذبۂ جہاد اور ولولۂ حریت کو قرآن وحدیث ہی کی رُو سے منسوخ وممنوع ثابت کر سکیں، اور انگریز لعین کی غلامی کا طوق اس قوم کے گلے میں ڈال سکیں، تو اس تلاش کے نتیجے میں جناب غامدی صاحب کا وجودِ نامسعود برآمد ہوا۔ پھر انہیں خداوندانِ یورپ کی باقاعدہ سرپرستی نصیب ہوئی، گوشۂ گمنامی سے نکال کر ٹی وی چینلوں پر براجمان کیا گیا، ان کے ادارے اور اس کی کاوشوں کو منظّم کیا گیا، انہیں اسلام کے دشمنوں، انگریز کے غلاموں اور جدیدیت کے پروانوں کا پیرِ مغاں ٹھہرایا گیا، چاروں طرف سے شہرت وجدت کے طلبگار، دین بیزار قسم کے لوگ ان کے اردگرد جمع ہوئے، کارواں بنا، اور انگریزی آقاؤں کی دکھائی ہوئی منزل کی جانب رواں دواں ہوا۔

انگریز کے یہاں آنے سے لے کراب تک کی تاریخ کو دیکھا جائے تو یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ اس کے راستے کی دیوار بننے اور بے سروسامانی کے عالم میں اس کے سامنے سینہ تان کر کھڑے ہونے کی رِیت ہمیشہ علمائے حق نے ہی قائم کی ہے۔ یہی لوگ ہیں جو انگریز کے ہر شیطانی منصوبے کے سامنے سدِّ سکندری بنے اور انہوں نے ہی انگریز کو ناکوں چنے چبوانے کے بعد آخر اسے یہاں سے رخصت ہو جانے پر مجبور کیا۔ ہم اس بات کو سمجھیں یا نہ سمجھیں، انگریز اس بات کو بخوبی سمجھتا ہے اور آئندہ بھی اپنے ہر شیطانی منصوبے کی راہ میں انہی بوریہ نشینوں کو رکاوٹ سمجھتا ہے۔

ایک طرف تو علمائے دیوبند کے بہادر فرزندوں کی دینی غیرت، تصلب اور بہادری انگریز اور اس کے ایجنٹوں کے لئے دردِ سر ہے، اور دوسری طرف صورتِ حال یہ ہے کہ دیوبندی طبقہ اپنے اکابر کی قربانیوں، تقویٰ و بے نفسی، علمی رسوخ، حسنِ اخلاق اور دیگر بے شمار خوبیوں کی بناء پر ان کا اس قدر گرویدہ ہے کہ اپنے اکابر ہی کی ہر بات اس کے لئے حرفِ آخر ہے اور اس سے ہٹ کر دین کی کسی نئی تعبیر وتشریح کو وہ ہرگز دین کی حیثیت سے قبول کرنے کو تیار نہیں۔ علمائے کرام علمی طور پر مضبوط اور راسخ ہوتے ہیں، دلائل کے نام پر سامریانہ شعبدہ بازیوں اور پیچ در پیچ بے حقیقت فلسفوں کے زور سے انہیں گمراہ کرنا آسان نہیں ہوتا۔ سادہ لوح عوام الناس کو اس قسم کے ہیر پھیر اور داؤ پیچ سے البتہ تذبذب اور شک میں ڈالا جا سکتا ہے، مگر وہ اپنے علماء پر اس قدر مضبوط اعتماد کرتے ہیں کہ نہ تو ان سے ہٹ کر کوئی راستہ اختیار کرتے ہیں اور نہ ان کے علاوہ کسی اور کی بات ہی سننے کو تیار ہوتے ہیں۔ باطل اس بات کو خوب سمجھتا ہے کہ علمائے کرام دینی نظریات کے تحفظ کا مضبوط قلعہ ہیں جس میں عوام الناس پناہ پکڑے ہوئے ہیں اور اس قلعے کی دیواروں میں شگاف ڈالنا ان کے لئے یا ان کے کارندوں کے لئے اتنا آسان نہیں ہے، عوام الناس اس قلعے میں مورچہ زن ہیں اور اس قلعے کو کسی صورت چھوڑنے پر آمادہ نہیں، انگریز اور اس کی ذریت پر جب بھی کاری وار ہوتا ہے، اسی قلعے سے ہوتا ہے، اور انگریز کے ہر وار کو ناکام بنانے کے لئے بھی دستے ہمیشہ اسی قلعے سے نکلتے ہیں۔

عوام الناس کو علماء پر اعتماد کے اس مضبوط اور مستحکم قلعے سے نکالنے اور باطل فرقوں کے جال میں پھنسانے کے لئے ضروری تھا کہ انہیں باطل فرقوں کے قریب کیا جائے اور ان کی بات، ان کی دلیل سننے پر آمادہ کیا جائے تا کہ وہ مسائل و دلائل سے ناواقفی کی بناء پر اہل باطل کی تلبیسات سے متأثر ہو کر شکوک و شبہات میں مبتلاء ہوں اور علمائے حق سے بتدریج دور اور خداوندانِ شرور وفتن کے قریب ہوتے جائیں۔ اسی مقصد کے لئے ''آزاد فورم'' کا پُر فریب نعرہ لگایا گیا۔ کہا تو یہ گیا کہ اس آزاد فورم کا مقصد آزادانہ بحث ومباحثہ ہے اور اس میں ہر شخص اور ہر مسلک کو اپنا نظریہ پیش کرنے کی اجازت ہے، مگر ہوا یہی کہ اس کی آڑ میں خوب دھڑلے سے باطل نظریات کی اشاعت کی گئی اور اہل باطل کی آواز کو پوری قوت اور تندہی سے اہل حق کے

مدارس، مراکز اور خاندانوں میں پہنچایا گیا جبکہ جانتے بوجھتے ہوئے اس باطل مواد کی تردید سے بالکل صرف نظر کیا گیا، ان باطل نظریات کی تردید میں اکابر اہل سنتؒ کی جاندار اور مدلل تحریریں موجود تھیں، انہیں نظر انداز کر دیا گیا، جید اور راسخ علماء سے لکھوائی بھی جا سکتی تھیں، مگر اس سے اغماض برتا گیا، صرف خانہ پُری کی حد تک بعض جوابی مضامین کو صرف اس لئے شامل کیا گیا کہ اپنے ''غیر جانبدار'' ہونے کا بھرم قائم رکھا جا سکے۔

''آزاد فورم'' کے عنوان سے بے دینی والحاد کی ترویج کا یہ مستقل شعبہ عم محترم جناب مولانا زاہد الراشدی صاحب نے غالباً دیوبندیوں میں سب سے پہلے ایجاد کیا ہے اور اگر یہ کہا جائے تو قطعاً غلط نہیں ہوگا کہ اگر غامدیت سو سال تک بھی سر پٹختی رہتی تو دیوبندیت میں نقب لگانے میں اتنی کامیاب نہیں ہو سکتی تھی جتنی عم محترم کی مہربانی سے چند سالوں میں ہو چکی ہے۔ شہرت وجدت اور نام ونمود کے متلاشی، چند مولوی نما مسٹر، جو درحقیقت علم کے نام پر دھبہ ہیں، غامدیت کے دروازے پر سجدہ ریز ہو کر اپنے ہی اکابر کے خلاف زبان درازی کا شغل اختیار کر کے خود کو سقراط و بقراط سمجھ بیٹھے ہیں اور عوام الناس، جنہیں دعویٰ و دلیل کی پیچیدگیوں سے کوئی مناسبت نہیں ہوتی، ان کے دلوں میں شکوک وارتیاب کے کانٹے بو کر الحاد کی جو فصل تیار کی گئی ہے وہ پک کر بالکل تیار ہے۔ لہٰذا اس صورتِ حال میں ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ غامدیت کو دیوبندیت میں گھسانے اور پھیلانے کے لئے عملاً جتنا کردار جناب مولانا زاہد الراشدی صاحب نے ادا کیا ہے، شاید ہی کسی اور نے ادا کیا ہو۔

عمار خان ناصر:

مندرجہ بالا وجہ کے علاوہ جناب مولانا زاہد الراشدی صاحب پر غامدیت نوازی کے الزام کی دوسری وجہ ان کے فرزند جناب عمار خان ناصر ہیں، درحقیقت جناب عمار خان ناصر، اسی ''آزاد فورم'' کے نظریے کا نتیجہ اور اس کی واضح وبے غبار عملی تشریح ہیں۔ عم محترم جناب مولانا زاہد الراشدی صاحب کا فرمان ہے کہ ان کا ''آزاد فورم'' اسلام پر کیے گئے اعتراضات کے جوابات اور علمی شبہات کے ازالے کے لیے ہے، جبکہ ہم نے اوپر دعویٰ کیا کہ یہ فورم اہل الحاد کے اعتراضات کے ردّ کے لئے نہیں بلکہ خود ان کے نظریات وافکار کی اشاعت وترویج کا کام سرانجام دے رہا ہے۔ ان کے دعوے کا رد اور ہمارے دعوے کی منہ بولتی دلیل ان کے فرزند جناب عمار خان ناصر ہیں جو ان کی محنتوں کا پھل اور ان کی کاوشوں کا نتیجہ ہیں، وہ ایک پکے ٹھکے سکہ بند غامدی، غامدی صاحب کے عزیز شاگرد، ان کے ادارے کے عملی ونظریاتی کارکن، ان کے نظریات وافکار کے شارح وترجمان، ان کی فکر کے بڑے مضبوط منّاد ہیں اور آج تک ان سے تلمذ اور عقیدت کی نسبت پر خوش وخرم اور مطمئن ہیں (جیسا کہ حضرت مفتی تقی صاحب کے نام ان کے خط سے ظاہر ہوتا ہے)۔

جب عم محترم کی آزاد خیالانہ روِش کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ دوسروں کی نظریاتی اصلاح کیا ہوتی، خود ان کے

اپنے فرزند اہل السنۃ والجماعۃ کے نظریات کے محافظ وامین بننے کی بجائے غامدی ہوکر غامدی کے ترجمان بن چکے ہیں، تو عم محترم کو ضرور اپنی پالیسی، اپنے آزاد فورم کے نظریے پر غور وفکر کرنا چاہئے تھا، عوام اہل السنۃ والجماعۃ کی گمراہی کا سبب بننے پر ندامت وشرمندگی کا اظہار کرتے ہوئے اکابر علمائے دیوبند ہی کے طرزِ عمل اور طرزِ فکر کی طرف لوٹ آنا چاہئے تھا۔ مگر کیا کیجئے کہ وہ اپنی ناروا روش پر سجدۂ سہو کرنے کی بجائے اب بھی پورے اطمینان اور وثوق کے ساتھ نہ صرف آزاد فورم کے بارے میں اپنے سابقہ طرزِ عمل پر قائم ہیں، بلکہ اس کے نتیجۂ بد، عمار خان ناصر کی کھلی سرپرستی اور حمایت پر بھی اتر آئے ہیں، انہوں نے اپنے اس غامدی فرزند کو اپنے رسالے ''الشریعۃ'' کا مدیر، اپنی اکیڈمی کا ڈائرکٹر بھی بنا رکھا ہے اور اس کی بلائیں لیتے تھکتے ہی نہیں ہیں۔ کیا اس سے یہی نتیجہ نہیں نکلتا کہ انہوں نے یہ آزاد فورم درحقیقت اسی مقصد کے لیے ایجاد کیا تھا!؟

یہاں ایک بات اور عرض کرتا چلوں کہ عم محترم جناب مولانا زاہد الراشدی صاحب اور ان کے وکیل جناب حافظ اسامہ مدنی صاحب، دونوں نے چمکتے سورج کا انکار کرتے ہوئے جناب عمار خان ناصر کے غامدی ہونے کا ہی انکار کردیا ہے۔ ان دونوں حضرات سے عرض ہے کہ ایک شخص جو غامدی صاحب کا شاگرد بھی ہے، عقیدت مند بھی ہے، ان کے ادارے میں ان کی موجودگی تک تنخواہ دار ملازم بھی رہا ہے، ان کے بنیادی نظریات اور طرزِ فکر میں ان کا ہمنوا اور مقلد بھی ہے، ان کے موقف کا بڑا مضبوط ترجمان اور شارح بھی ہے، وہ غامدی صاحب کو ضال مضل اور گمراہ بھی نہیں سمجھتا، ان سے تلمذ وعقیدت کی نسبت پر نازاں و فرحاں بھی ہے، اگر وہ بھی غامدی نہیں ہے تو پھر اس دنیا میں آخر اور غامدی کون ہے؟

اگر اب بھی عم محترم کو اصرار ہے کہ عمار خان ناصر غامدی نہیں ہیں، تو ان سے درخواست ہے کہ وہ اپنی بات کے ثبوت کے طور پر عمار خان ناصر صاحب سے تحریر لکھوا کر دیں کہ:...... ''جاوید احمد غامدی گمراہ اور ضال مضل شخص ہے، میرا آج کے بعد اس سے کوئی تعلق نہیں''۔ اگر تو عم محترم اپنے فرزند سے یہ تحریر لکھوانے میں کامیاب ہوجاتے ہیں تو ہم آئندہ عمار خان صاحب کو غامدی کے نام سے موسوم نہیں کریں گے، اور اگر وہ ان سے یہ تحریر نہ لکھوا سکیں، تو ان سے اتنی بات ضرور عرض کریں گے کہ آپ کا جو بیٹا آپ کے کہنے پر ایک گمراہ کو گمراہ کہنے پر آمادہ نہیں ہے، آپ اسی بیٹے کی خاطر اپنے اکابر کو چھوڑنے کو تیار ہیں؟ اپنوں سے کنارہ کشی آپ اس بیٹے کی خاطر اختیار کر رہے ہیں جو آپ کی خاطر غیروں کو چھوڑنے پر آمادہ نہیں؟

پاکستان کے جمہور علمائے دیوبند کی طرف سے ان کی خدمت میں یہ اشعار پیش کرنے کو جی چاہتا ہے کہ:

اطعت لآمریک بصرم حبلی
مریھم فی احبتھم بذاک
فھم ان طاوعوک فطاوعیھم
وان عاصوک فاعصی من عصاک

(تو نے لوگوں کی بات مان کر مجھے چھوڑ دیا، اب تُو بھی ان لوگوں سے کہہ کہ وہ تیری خاطر اپنی محبت کو چھوڑ دیں۔ اگر وہ تیری بات مان کر اپنی محبت کو چھوڑ دیں تو ٹھیک ہے تُو بھی ان کی خاطر مجھے چھوڑ دینا، اور اگر وہ تیری بات نہ مانیں، تو جو تیری نہیں مانتا، تو بھی اس کی بات نہ مان [اور مجھ سے قطع تعلق نہ کر])

غامدیت کے رد میں مولانا زاہد الراشدی صاحب کے مضامین:

جناب حافظ اسامہ مدنی صاحب نے عم محترم جناب مولانا زاہد الراشدی صاحب پر غامدیت نوازی کے الزام کے جواب میں ان کے غامدی صاحب کی تردید میں لکھے گئے مضامین کا حوالہ بھی دیا ہے جس کے بارے میں چند گزارشات مجلّہ کے کسی سابق شمارے میں عرض کر چکا ہوں اور اب مختصراً دوبارہ اپنی بات کو دوہراتا ہوں کہ جناب جاوید احمد غامدی صاحب کی ضلالت کفر کی حدود کو چھورہی ہے۔ وہ قادیانیوں کی تکفیر کے قائل نہیں ہیں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات کے منکر ہیں، شرعی پردہ کے منکر ہیں، اقدامی جہاد کے منکر ہیں، ساز و آواز کی اباحت کے قائل ہیں اور دیگر بھی اسی قسم کے گمراہ کن عقائد کے حامل ہیں۔ بندہ نے پہلے بھی یہی کہا تھا، اور اب بھی یہی کہتا ہے کہ جناب مولانا زاہد الراشدی صاحب کا جاوید احمد غامدی صاحب سے ٹیکس کے جواز و عدم جواز، آزادانہ فتویٰ کی اتھارٹی وغیرہ فروعی اور فقہی مسائل پر ان سے گفتگو کرنا ان کا رد نہیں بلکہ انہیں مجتہدین کی صف میں کھڑا کرنے کی کوشش ہے۔ یہ اسی طرح ہے جیسے آپ مرزا قادیانی سے آمین بالجہر، خمینی سے فاتحہ خلف الامام، اور غلام احمد پرویز سے وضو کے سنن و مستحبات کے مسائل پر بحث کریں تو حاضرین پر یہی اثر پڑے گا کہ شاید یہ دو جید علمائے و مجتہدین میں بحث ہورہی ہے۔ یہ ان کی تردید نہیں، تائید ہوگی۔ مولانا کی غامدیوں سے فروعی مسائل پر لاحاصل علمی بحث سے بندہ کے خیال میں ان کو نقصان نہیں بلکہ فائدہ ہوا ہے، اور اسی وجہ سے اس گفتگو پر سب سے زیادہ اطمینان اور خوشی خود غامدیوں نے محسوس کی ہے جو ان کے تعریفی کلمات سے ظاہر و باہر ہے۔ غامدیان کرام نہ صرف اس مباحثے پر بہت خوش اور مطمئن ہیں بلکہ وہ دوسرے علماء کو بھی مولانا زاہد الراشدی صاحب کی پیروی کی تلقین کرتے نظر آتے ہیں۔

ہمارے اکابر نے ہمیشہ اہل باطل کا مدلل اور سنجیدہ طریقے سے رد کیا ہے، لیکن ہم نے کبھی نہیں سنا کہ مودودیوں نے حضرت شیخ الاسلام مدنیؒ کی، شیعوں نے قائدِ اہل سنت حضرت مولانا قاضی مظہر حسینؒ اور امیر عزیمت حضرت مولانا حق نواز جھنگویؒ کی، بریلویوں نے حضرت امام اہل سنت مولانا سرفراز خان صفدرؒ کی، قادیانیوں نے حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ اور دیگر اکابر ختم نبوت کی تعریف کی ہو اور مسلمانوں کو اپنا رد کرنے والے ان اکابر کے نقش قدم پر چلنے کا مشورہ دیا ہو۔ خود جناب رسول اللہ ﷺ سے زیادہ با اخلاق اور سنجیدہ شخصیت اور کس کی ہوسکتی ہے؟ مگر تاریخ اور حال دونوں گواہ ہیں کہ کفر و ضلال کے پیروکاروں نے آپ ﷺ کی حیات مبارکہ میں بھی آپ کی شدید دشمنی اور بغض و عداوت کا مظاہرہ کیا، اور اب

بھی اپنے دلوں کی گندگیوں کو وقتاً فوقتاً ظاہر کرتے رہتے ہیں۔ باطل ہمیشہ حق کا دشمن اور مخالف ہوتا ہے، وہ ہمیشہ حق کا راستہ روکنے کی سرتوڑ کوشش کرتا ہے۔مگر یہاں جب سب ہی غامدی جناب مولانا زاہدالراشدی صاحب کی تعریف میں رطب اللسان ہیں اور دیگر علماء کو بھی ان کی پیروی کی ترغیب دے رہے ہیں تو آخر اس کی کیا وجہ ہوسکتی ہے؟ کاش کہ عم محترم کے مخلص عقیدت مند کچھ دیر کے لیے اس پر غور فرمالیں۔

کیا مولانا زاہدالراشدی صاحب، غامدی صاحب کو گمراہ سمجھتے ہیں؟

جناب حافظ اسامہ مدنی صاحب نے دعویٰ کیا ہے کہ مولانا زاہدالراشدی صاحب، جاوید احمد غامدی صاحب کو ''گمراہ'' قرار دیتے ہیں، اس دعوے کے ثبوت کے طور پر انہوں نے جناب مولانا زاہد الراشدی صاحب کی دو عبارات پیش کی ہیں جن میں سے ایک میں مولانا، غامدی صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

> ''جہاں بھی دین کے پورے ڈھانچے کی تشکیل نو کی بات ہوگی، دین کی بنیادی اصطلاحات کو نئے معنی دے کر اپنی مرضی کے نتائج حاصل کرنے کی کوشش کی جائے گی، اور امت کے چودہ سوسالہ علمی ماضی کے خلاف بے اعتمادی کی فضا پیدا کر کے نئی نسل کو اس سے کاٹنے کی سوچ کارفرما ہوگی، وہاں ایسی کوششوں کا عملی نتیجہ گمراہی کا ماحول پیدا کرنے کے سوا کچھ برآمد نہیں ہوگا۔'' [علمی وفکری مکالمہ،۸]

جبکہ دوسری جگہ غامدی صاحب کے انکارِ حیاتِ سیدنا مسیح علیہ السلام کے موقف پر جناب مولانا زاہدالراشدی صاحب لکھتے ہیں:

> ''ہمارے نزدیک محترم جاوید احمد غامدی صاحب کا یہ تصورِ سنت صرف امت کے اجماعی تعامل وعقیدہ ہی کے خلاف نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ ''**من یشاقق الرسول**'' اور ''**ویتبع غیر سبیل المؤمنین**'' کی حدوں کو چھوتا ہوا بھی نظر آرہا ہے۔اس لیے ہم ''**الدین النصیحة**'' کے تحت پورے خلوص کے ساتھ انہیں اس گمراہ کن تصور سے رجوع کا برادرانہ مشورہ دینا اپنی دینی ذمہ داری سمجھتے ہیں۔'' [الشریعہ جون ۲۰۰۸]

پہلی بات تو یہ ہے کہ ان عبارتوں میں جناب مولانا زاہدالراشدی صاحب نے غامدی صاحب کے ایک تصور کو گمراہ کن، اور خود غامدی صاحب کو گمراہی کا ماحول پیدا کرنے کا ذمہ دار ضرور بتایا ہے، مگر کسی شخص کی کسی ایک بات کو گمراہ کن بات کہنے، اور اس کے مجموعی افکار کی روشنی میں اس کی ذات کو گمراہ کہنے میں بڑا فرق ہے، اگر یہ موٹا سا فرق جناب حافظ اسامہ مدنی صاحب کی سمجھ میں نہ آئے، اور آسانی سے سمجھ میں آنے کی امید بھی نہیں، تو ہم ان کو خود مولانا زاہدالراشدی صاحب کا ایک حوالہ دے کر بات سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں، مولانا زاہدالراشدی صاحب، مفتی ابولبابہ صاحب کے ایک مضمون کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

''مفتی صاحب محترم نے اپنی تحریر کے لیے ''امام اہل سنت کی بارگاہ میں'' کا گمراہ کن عنوان اختیار کر کے یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ وہ امام اہل سنت حضرت مولانا سرفراز خان صفدرؒ کے مؤقف یا طرزِ عمل کی ترجمانی کر رہے ہیں، یہ بات نہ صرف نا قابل قبول ہے، بلکہ نا قابلِ برداشت بھی ہے۔''

(الشریعہ جون، ص۴)

اب دیکھئے! جناب مولانا زاہدالراشدی صاحب نے حضرت مفتی ابولبابہ صاحب کے عمل کو ''گمراہ کن'' عمل قرار دیا ہے، لیکن اس کا یقیناً یہ مطلب نہیں لیا جاسکتا کہ خود مفتی ابولبابہ صاحب، مولانا زاہد الراشدی صاحب کے نزدیک سرے سے گمراہ ہیں۔ اسی طرح ہم نہایت احترام سے عرض کرتے ہیں کہ غامدی صاحب کے بارے میں بھی جناب مولانا زاہدالراشدی صاحب کی مذکورہ بالا تحریر سے ان کی منشاء کے خلاف ازخود اور بزور یہ نتیجہ کشید کرنا غلط ہے کہ وہ غامدی صاحب کو گمراہ سمجھتے ہیں، غامدی صاحب کے بارے میں ان کے جذبات واحساسات کیا ہیں، انہی کی ایک دوسری تحریر سے کچھ اندازہ ہوتا ہے، غامدی صاحب کے اسلامی نظریاتی کونسل سے استعفیٰ دینے پر وہ غم واندوہ کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

''میرے لیے یہ خبر افسوس اور رنج کا باعث بنی ہے کہ محترم جاوید احمد غامدی نے اسلامی نظریاتی کونسل کی رکنیت سے احتجاجاً استعفادے دیا ہے۔ غامدی صاحب علوم عربیہ کے ممتاز ماہرین میں شمار ہوتے ہیں اور دینی لٹریچر پر بھی ان کی گہری اور وسیع نظر ہے۔ اسلامی نظریاتی کونسل میں ایسے فاضلین کی موجودگی بہت سے معاملات میں راہنمائی کا ذریعہ بن سکتی ہے۔'' [حدود آرڈیننس اور تحفظِ نسواں بل، ص۱۰۳]

محترم حافظ اسامہ مدنی صاحب! آپ تو فرما رہے تھے کہ جناب مولانا زاہدالراشدی صاحب نے غامدی صاحب کو گمراہ قرار دیا ہے، جبکہ ادھر حال یہ ہے کہ وہ غامدی صاحب کے اسلامی نظریاتی کونسل سے استعفیٰ دینے پر حسرت وافسوس سے ہاتھ مل رہے ہیں اور ''علوم عربیہ کے اس ممتاز ماہر'' کی ''راہنمائی'' سے امت مسلمہ کی محرومی پر رنج والم کا اظہار کر رہے ہیں۔ یہ کیا ماجرا ہے؟ کیا اب بھی آپ دنیا کی آنکھوں میں دھول جھونکنے سے باز نہیں آئیں گے!؟

فیصلہ آسان ہے......!

اوپر جو مضبوط قرائن وشواہد ہم نے عرض کیے ہیں ان سے عم محترم کی ''غامدیت نوازی'' صاف جھلک رہی ہے، تاہم پھر بھی ہمیں اپنی بات پر بلاوجہ اصرار نہیں ہے، اگر حافظ اسامہ مدنی صاحب عم محترم سے یہ لکھوا لائیں کہ جاوید احمد غامدی صاحب گمراہ اور ضال مضل ہیں اور یہ بھی لکھوا لائیں کہ کن وجوہات کی بناء پر گمراہ ہیں، نیز ان کی گمراہی کس درجے کی ہے؟ بدعت کے درجے کی یا کفر کے درجے کی؟ تو نہ صرف ہم انہیں غامدی نواز کہنا چھوڑ دیں گے بلکہ نہایت خوشی اور سرور کے ساتھ ان کے اس ''کلمۂ حق'' کو بھی انہی صفحات میں اسی

طرح شائع کریں گے جس طرح ان کے خلاف غامدیت نوازی کے شکوے شائع کیے جا رہے ہیں۔ہم اس بارے میں جناب حافظ اسامہ مدنی صاحب کے جواب اور کارگذاری کے منتظر رہیں گے ؎

نجانے راہ پہ کیوں ہیں لگی ہوئی آنکھیں
مجھے خبر ہے کبھی وہ ادھر نہیں آئے

یہاں یہ بات بھی ملحوظِ خاطر رہے کہ جناب جاوید احمد غامدی کو گمراہ کہنے سے پہلے حافظ اسامہ مدنی صاحب اور جناب عم محترم کو یہ ضرور سوچ لینا چاہئے کہ ایسا نہ ہو کہ جن وجوہات کی بناء پر وہ غامدی صاحب کو گمراہ قرار دیں، وہی وجوہات بطریق کامل جناب عمار خان صاحب میں بھی نکل آئیں، اس صورت میں انہیں ظاہر سی بات ہے کہ ان کو بھی گمراہ کہنا ہوگا کہ قانون اپنے کے لیے اَور، پرائے کے لیے اَور نہیں ہوتا بلکہ سب کے لیے برابر ہوتا ہے، غریب آدمی کو اور سزا دینا، معزز کو اور سزا دینا تو از روئے حدیث یہودیوں کی عادت ہے۔ہمارے لیے تو ہمارے پیارے پیغمبر ﷺ کا فرمان: ''**لو سرقت فاطمة بنت محمد لقطعت يدها**'' ہی مشعلِ راہ ہے اور یہی ہمارے دین کا امتیازی نشان ہے۔(جاری ہے۔۔۔)

مولانا مفتی رب نواز

زبیر علی زئی کا تعاقب

(......قسط ۲۳......)

زبیر علی زئی......:

رب نواز دیوبندی[١٦٧] نے لکھا ہے: ''...... بندہ نے ارشادالحق اثری[١٦٨] غیر مقلد کی کتاب ''توضیح الکلام، ص: ۹۸۸'' سے امام ابوحنیفہ نعمان[١٦٩] علیہ الرحمۃ والرضوان کا فرمان نقل کیا کہ میں صحابہ کرامؓ کی تقلید کرتا ہوں۔ [مجلّہ صفدر، شمارہ ۶، ص: ۱۳]

علی زئی صاحب نے اس کے جواب سے بھی سکوت فرمایا ہے۔'' [مجلّہ صفدر گجرات ۱۴، ص: ۳۷]

جواب: مولانا ارشادالحق اثری حفظہ اللہ کی کتاب: توضیح الکلام[١٧٠] میں نعمان کا مذکور قول بحوالہ المؤمل للردالی الامر الاول لابی شامہ منقول ہے اور ابوشامہ نے اسے بغیر کسی سند کے ابن فرقد[١٧١] شیبانی سے نقل کیا ہے۔ [مجموعہ رسائل منیریہ ۳/ ۳۳، المومل ص ۶۲۔۶۳]

ابوشامہ کی پیدائش ۵۹۹ھ سے صدیوں پہلے فوت ہونے والے اشخاص تک بے سند[١٧٢] اور بے سروپا روایت کا کیا اعتبار[١٧٣] ہے کہ رب نواز صاحب کی طرف سے اُس کے جواب کا مطالبہ اور[١٧٤] بے بسی کا فتویٰ داغا جاتا ہے؟!

دوسرے یہ کہ جمہور کے نزدیک مجروح ابن فرقد[١٧٥] کی روایت اگر اس تک ثابت بھی ہو جائے تو اس کا علمی میدان میں کیا اعتبار ہے؟! بلکہ معدوم ومردود[١٧٦] کے حکم میں ہے۔

ابن فرقد کے بارے میں جمہور محدثین کرام[١٧٧] کی جروح ثابتہ وصریحہ کے لیے دیکھئے میری کتاب: تحقیقی مقالات [۲/ ۳۴۱۔۳۶۴، ......۳/ ۳۷۱۔۳۸۴]

بے بسی کا عنوان باندھ کر آل دیوبند کو اپنی ''بے عزتی خراب[١٧٨]'' کرنے کیا فکر پڑی ہوئی ہے[١٧٩]؟!

الجواب:

١٦٧ زبیر علی زئی صاحب نے دعویٰ کیا کہ ''کسی مستند عالم سے یہ قول ثابت نہیں ہے کہ ''انا مقلد'' میں مقلد ہوں۔'' [دین میں تقلید کا مسئلہ صفحہ ۴۶]

بندہ نے نے بہت سے علماء کرام کا اقراری مقلد ہونا ثابت کر دیا۔ [دیکھئے مجلّہ صفدر گجرات شمارہ: ۶]

خود زبیر علی زئی صاحب ان علماء کرام کا اقراری مقلد ہونا مان گئے۔[علمی مقالات ۴۶۵/۵] جسے یہ کتاب دستیاب نہ ہو وہ ہماری اسی کتاب کا حاشیہ نمبر ۱۳۲/۲ ملاحظہ کرے۔

اپنے مقلد ہونے کا اقرار کرنے والے جن علماء کرام کا حوالہ ہم نے غیر مقلدین کی کتابوں سے دیا تھا ان میں ایک نام امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا ہے۔ دیکھئے حاشیہ ۳۴۔ اس کے جواب میں جو کچھ علی زئی صاحب نے کہا ہے وہ آگے آ رہا ہے۔

۱۶۸ اثری صاحب غیر مقلدین کے حلقہ میں ایک نمایاں مقام رکھتے ہیں، خود علی زئی صاحب بھی انہیں اعلیٰ درجہ کا عالم سمجھتے ہیں، چنانچہ لکھتے ہیں:

''پاکستان کے مشہور محقق اور اہلحدیث کے نامور عالم مولانا ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ......''

[علمی مقالات ۱۷۳/۲]

دوسری جگہ لکھتے ہیں:

''حدیث شہادتِ حسین رضی اللہ عنہ کو مولانا ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ نے زوائد مسند احمد کی تحقیق میں حسن قرار دیا ہے۔ اس سلسلے میں اصحاب مکتبہ اثریہ فیصل آباد یا خود مولانا اثری حفظہ اللہ سے رابطہ کیا جا سکتا ہے۔'' [علمی مقالات، ۴۲۰/۲]

''شہادت اور غلط فہمیوں کے ازالے کے لیے علمائے حدیث مثلاً: مولانا ارشاد الحق اثری وغیرہ کی طرف رجوع کیا جا سکتا ہے۔'' [علمی مقالات، ۴۲۲/۲]

علی زئی صاحب مزید لکھتے ہیں:۔

''فضیلۃ الشیخ مولانا ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ'' [علمی مقالات، ۲۹۸/۳]

۱۶۹ اثری صاحب نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو صحابہ کرامؓ کا مخالف ثابت کرنے کے لیے اُن کا اپنا فرمان حافظ ابوشامہ کی کتاب سے نقل کیا کہ: میں تمام صحابہ کی تقلید کرتا ہوں اور اُن کے خلاف اپنی رائے کو صحیح نہیں سمجھتا سوائے تین: انس بن مالکؓ، ابو ہریرۃؓ اور سمرہ بن جندب۔''

اثری صاحب یہ عبارت نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''مقصود صرف اس بات کی وضاحت ہے کہ امام ابوحنیفہؒ تو ان (تین) صحابہ کرامؓ کے فتویٰ کو تسلیم ہی نہیں کرتے بلکہ ان کے مقابلہ میں اپنے فتویٰ کو ترجیح دیتے ہیں''۔ [توضیح الکلام، ص: ۹۸۸]

اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اثری صاحب نے مذکورہ عبارت اپنے خاص مقصد یعنی امام صاحب کو صحابہ کرامؓ کا مخالف ثابت کرنے کے لیے لکھی مگر ان کا اقراری مقلد ہونا تو ثابت ہو ہی گیا۔

۱۷۰ اثری صاحب کی کتاب ''توضیح الکلام'' کو غیر مقلدین نے مستند و معتبر قرار دیا اور اس کی بہت زیادہ

مدح سرائی کی ہے۔

الف......عزیز زبیدی صاحب غیر مقلد، توضیح الکلام کے متعلق لکھتے ہیں:

''یہ علمی جائزہ محدثانہ نقد ونظر کا آئینہ دار ضرور ہے'' [توضیح الکلام صفحہ ۴۵]

ماہنامہ التوعیہ میں لکھا گیا:

''زیر تبصرہ کتاب ''توضیح الکلام فی وجوب القراءۃ خلف الامام'' موصوف کی ایک اہم اور معرکۃ الآراء تصنیف ہے...... یہ شاہکار تصنیف......'' [توضیح الکلام صفحہ ۵۹]

ب......غیر مقلدین نے توضیح الکلام کی مدح سرائی کے ساتھ اسے ''بے مثال اور لاجواب'' بھی کہا ہے۔

محمد علی جانباز صاحب نے لکھا:

''اثری صاحب کی یہ کتاب ایک بے مثال علمی تحقیقی دستاویز ہے۔'' [توضیح صفحہ ۵۲]

زبیر علی زئی صاحب کے استاد محب اللہ شاہ راشدی صاحب توضیح الکلام کے متعلق لکھتے ہیں:

''الحمدللہ کتاب اپنے موضوع پر لاجواب ہے'' [توضیح صفحہ ۴۹]

خود علی زئی صاحب لکھتے ہیں:

''لاجواب کتاب: توضیح الکلام......'' [نور العینین صفحہ ۷۴ طبع ۲۰۰۶ء]

ج......متعدد غیر مقلدین نے توضیح الکلام کتاب کو شروع سے آخر تک پڑھ کر تقریظات لکھیں۔

محمد اسحاق چیمہ صاحب لکھتے ہیں:

''حضرت مولانا عزیز زبیدی صاحب کا بھی ممنون ہوں جنہوں نے توضیح الکلام کے پورے مسودہ پر ایک نگاہ ڈالی۔'' [توضیح الکلام صفحہ ۴۱]

عزیز زبیدی صاحب خود ہی فرماتے ہیں:

''ناچیز نے من وعن از اول تا آخر اس کا مطالعہ کیا ہے۔'' [توضیح صفحہ ۴۵]

محب اللہ شاہ راشدی صاحب لکھتے ہیں:

''آں محترم کے ارشاد کے مطابق ''توضیح الکلام'' مکمل دیکھ لی ہے۔'' [توضیح صفحہ ۴۹]

جب بات یونہی ہے کہ متعدد علمائے غیر مقلدین نے توضیح الکلام کو پڑھ کر اپنے تاثرات کا اظہار کیا ہے تو اب آلِ غیر مقلدیت کتاب کے مندرجات کو مصنف کی ذاتی آراء کہہ کر گلوخلاصی نہیں کر سکتے۔

د......خود اثری صاحب بھی توضیح الکلام پر بڑے ہی نازاں نظر آتے ہیں۔ چنانچہ وہ توضیح الکلام کے متعلق لکھتے ہیں:

''اس کتاب کو علمائے اہلحدیث نے ایک سنجیدہ اور ٹھوس علمی دلائل سے مزین کتاب قرار دیا''۔

آگے لکھتے ہیں:

''توضیح کے ٹھوس، علمی اور اصولی دلائل ہمالیہ کی طرح قائم ہیں''۔(تنقیح الکلام صفحہ ۱۹)

ح...... یہاں یہ بھی یاد رہے کہ زبیر علی زئی صاحب لوگوں کو 'توضیح الکلام' کے مطالعہ کی ترغیب دیتے رہے ہیں۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

''فضیلۃ الشیخ مولانا ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ نے......ابن اسحاق کی توثیق وتعریف نقل فرمائی ہے۔ دیکھئے توضیح الاحکام''(علمی مقالات جلد۳ صفحہ ۲۹۸)

تنبیہ: علمی مقالات میں ''توضیح الکلام'' کی بجائے ''توضیح الاحکام'' ہی لکھا ہے، اسے ہمارا یا ہمارے کمپوزر کا سہو قرار نہ دیا جائے۔

علی زئی صاحب دوسری کتاب میں لکھتے ہیں:

''تفصیل کے لیے مولانا ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ کی لاجواب کتاب ''توضیح الکلام ۔۔۔۔کا مطالعہ فرمائیں''۔(نور العینین صفحہ ۴۷)

''تحقیق کے لیے ملاحظہ فرمائیں ''توضیح الکلام''۔۔۔۔۔۔''(نور العینین صفحہ ۴۶)

علی زئی صاحب نے ''توضیح الکلام'' کے مطالعہ کی ترغیب اور بھی بہت سی جگہوں میں دی ہے۔

۱۷۱ ابن فرقد سے مراد امام محمد بن حسن شیبانی رحمہ اللہ ہیں جو امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کے شاگرد اور امام شافعی رحمہ اللہ کے استاذ ہیں، جن کا شمار تبع تابعین میں ہے، وہ بہت بڑے فقیہہ اور محدث تھے، علم حدیث میں ان کی کتابیں موَطا امام محمد وغیرہ مشہور ہیں۔ ان کے ثقہ وصدوق ہونے کا تذکرہ آگے حاشیہ نمبر ۱۷۵ میں آرہا ہے۔ ان شاء اللہ

۱۷۲ بے سند؟ اِس کو صحیح یا حسن سند سے ثابت کرنا ارشاد الحق اثری غیر مقلد کی ذمہ داری ہے، اگر وہ اِسے صحیح یا حسن سند سے ثابت کردیتے ہیں تو خیر القرون میں جلیل القدر فقیہ ومحدث سے ''انا مقلد'' میں مقلد ہوں، کا نعرہ ثابت ہوجاتا ہے اور اگر وہ ثابت نہ کرسکیں تو ان کی طرف سے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو مخالفِ صحابہ قرار دینے کا الزام غلط ہے۔

زبیر علی زئی صاحب نے دعویٰ کیا تھا کہ کسی مستند عالم سے ''میں مقلد ہوں'' کا دعویٰ ثابت نہیں۔ ہم نے بہت سے علماء کرام مثلاً میاں نذیر حسین دہلوی، محمد حسین بٹالوی، محمد بن عبد الوہاب، علامہ برکۃ الواسطی، امام ابن عبد البر، امام طحاوی اور امام شافعی وغیرھم رحمہم اللہ کے اقراری مقلد ہونے کے حوالے اپنی اسی کتاب (حاشیہ نمبر ۱۲/۱۳/۳۵/۴۲/۶۲) میں دے چکے ہیں۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا حوالہ تو اس غرض سے دیا تھا کہ اس کا ذکر غیر مقلدین کی اس کتاب میں ہے

جسے علی زئی صاحب نے ''لاجواب'' کہا ہے اور حوالہ دینے کے بعد لکھ دیا تھا کہ:

''نہ معلوم زبیر صاحب 'توضیح الکلام' کے مذکورہ مقام کو بھی ''لاجواب'' سمجھتے ہیں یا اس کی مخالفت میں اٹھ کھڑے ہوتے ہیں؟'' [مجلّہ صفدر، ش:۶، ص:۱۳]

علی زئی صاحب کے ہاں اُصول ہے کہ اگر کوئی بات کسی کی طرف منسوب کی جائے مگر وہ سنداً اس سے ثابت نہ ہو تو وہ جھوٹ ہے۔ [علمی مقالات،۲۲۸/۴]

ارشاد الحق اثری صاحب کی امام ابوحنیفہؒ کی طرف منسوب بات ''میں صحابہ کی تقلید کرتا ہوں'' اگر علی زئی صاحب کے ہاں بے سند ہے تو وہ اپنے اصول کے مطابق اثری صاحب کو ''جھوٹا'' کہہ دیتے، مگر انہیں جھوٹا کہنے کی بجائے ان کو جلیل القدر، نامور عالم اور محقق اہلحدیث قرار دے کر ان کی کتاب کو ''لاجواب'' قرار دیتے ہیں۔

۱۷۳ یہ روایت بے سند ہو، بے سروپا ہو یا غیر معتبر، ہے یہ اُس کتاب کی ہے جسے علی زئی صاحب وغیرہ آل غیر مقلدیت ''لاجواب'' کتاب قرار دے چکے ہیں۔ حیرت ہے کہ توضیح الکلام کے زمانہ تصنیف سے لے کر عرصہ دراز تک وہ روایت ''لاجواب'' کتاب کی عبارت کہلائے اور جب ہم اسے نقل کر کے منظرِ عام پہ لے آئیں تب وہ بے سند، بے سروپا اور غیر معتبر بن جائے؟

۱۷۴ زبیر علی زئی صاحب کی ''بے بسی'' تو واضح ہے ہر شخص اپنی کھلی آنکھوں سے نظارہ کر سکتا ہے، بلکہ علی زئی صاحب کا اپنا اُصول اُن کی ''بے بسی'' کو عیاں کر رہا ہے، انہوں نے اپنی کتاب توضیح الاحکام جلد ا صفحہ ۳۴۳ پر لکھا جس کا حاصل یہ ہے کہ اگر متن بنا کر ہر مطلوبہ بات کا جواب نہ دیا جائے تو وہ جواب ''مردود'' ہے۔ دیکھئے ہماری اسی کتاب کا حاشیہ نمبر ۳۔

علی زئی صاحب نے نہ تو ہمارے مضمون کو متن بنایا اور نہ ہی ہر مطلوبہ بات کا جواب دیا ہے، اِس لیے اُن کا یہ جواب اُن کے اصول کے مطابق ''مردود'' ہے۔ مردود جواب لکھنا ''بے بسی'' نہیں تو اور کیا ہے؟ ہے کوئی غیر مقلد جو ہماری اس کتاب ''زبیر علی زئی کا تعاقب'' کا علی زئی کے اصول کے مطابق متن بنا کر ہر مطلوبہ بات کا جواب دے کر آل غیر مقلدیت سے ''بے بسی'' کے داغ کو دور کر سکے؟ روئے زمین کے تمام آلِ غیر مقلدیت کو طبع آزمائی کی دعوت ہے۔

۱۷۵ جمہور والی بات کا جواب حاشیہ نمبر ۱۷۷ میں آ رہا ہے ہم یہاں قارئین کو یہ بتانا چاہتے ہیں کہ امام محمد بن حسن شیبانی رحمہ اللہ وہ جلیل القدر بزرگ ہیں کہ اُن کی توصیف وثقاہت خود غیر مقلد علماء سے ثابت ہے۔

☆......علامہ ابن حزم: زبیر علی زئی صاحب نے انہیں ''غیر مقلد'' قرار دیا ہے۔ [علمی مقالات،۲۴۵/۲]

علامہ ابن حزم ظاہری ایک مسئلہ کی تحقیق میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے موقف کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ترجمہ ''امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے محفوظ روایت وہ ہے جو امام محمد رحمہ اللہ نے ''الجامع الصغیر'' میں آپ سے نقل کی ہے۔(المحلی، ۱۲۴/۸)

اور خود زبیر علی زئی صاحب نے تصریح کی ہے کہ محدثین کا کسی راوی کی روایت کو محفوظ قرار دینا ان کی طرف سے اس راوی کی توثیق پر دلیل ہے۔[القول المتین، ص:۲۶]

☆......شیخ عبدالرحمٰن یمانی معلّمی: جنہیں علی زئی صاحب ''ذہبی عصر حقا'' قرار دیا ہے۔[نور العینین صفحہ ۱۱۹] معلّمی صاحب فرماتے ہیں: ترجمہ ''امام محمد کو فقہ اور سنت میں ایک مقام حاصل تھا۔ نیز آپ حکومت کے ہاں قدر و منزلت والے تھے اور بکثرت اپنے پیروکار رکھتے تھے لیکن اس سب کے باوجود بحث و نظر میں آپ انتہائی درجہ کے انصاف پسند تھے''۔

نیز لکھتے ہیں:

''امام محمد بن حسن رحمہ اللہ کا انتہائی جلیل القدر اور افضل ہونا شک وشبہ سے بالا ہے۔''

(التنکیل، ۴۲۳/۱۔۴۹۲)

☆......علامہ جمال الدین قاسمی، امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ کے متعلق لکھتے ہیں:

ترجمہ: ''امام ابو یوسف اور امام محمد کو (بعض) محدثین نے کمزور قرار دیا ہے جیسا کہ آپ نے میزان الاعتدال میں دیکھا ہے، میری عمر (عطاء کرنے والے) کی قسم ان محدثین نے ان دونوں اماموں کے ساتھ انصاف نہیں کیا، حالانکہ یہ دونوں علم کے موجزن سمندر ہیں اور ان کے آثار (روایات) ان کی وسعتِ علم اور ان کے تبحر علمی پر گواہ ہیں، بلکہ اس بات پر شاہد ہیں کہ یہ دونوں حضرات اکثر حفاظ حدیث پر فوقیت رکھتے ہیں، آپ کو (ان دونوں کے علمی مرتبہ کو پہچاننے کے لیے) امام ابو یوسف کی ''کتاب الخراج'' اور امام محمد کی ''موَطا'' ہی کافی ہیں۔(الجرح والتعدیل، ص:۳۱)

☆......علامہ البانی: علی زئی صاحب انہیں ''محدث العصر اور امام المحدثین'' قرار دیتے ہیں۔

(عبادات میں بدعات صفحہ ۱۲۸)

البانی صاحب، امام محمد رحمہ اللہ کی روایت کردہ ایک حدیث کے متعلق لکھتے ہیں:

''اس حدیث کی سند ان شاء اللہ حسن ہے''۔(ارواء الغلیل، ۳۳۶/۷)

☆......نامور غیر مقلد نواب صدیق حسن خان: انہوں نے بھی اپنی کتاب ''التاج المکلل'' میں امام محمد رحمہ اللہ کے علمی مقام اور آپؒ کی تصانیف کی بڑی تعریف کی ہے۔(صفحہ ۸۰)

واضح رہے کہ نواب صاحب کی یہ کتاب علم حدیث میں مہارت رکھنے والے اہل علم کے تذکرے

پر مشتمل ہے جیسا کہ خود انہوں نے اس کتاب کے مقدمہ میں تصریح کی ہے۔

☆......میر محمد ابراہیم سیالکوٹی صاحب: وہ اپنی کتاب ''علمائے اسلام'' میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے تذکرہ میں لکھتے ہیں:

''آپؒ سے بہت سے لوگوں نے فیضِ علم حاصل کیا اور آپ کے شاگرد امامت کے بلند مرتبوں تک پہنچے۔ چنانچہ ان میں سے امام ابو یوسفؒ قاضی القضاۃ اور امام محمد رحمہ اللہ اور امام عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ اور زفرؒ وغیرھم جلیل الشان امام آپ کے علمی کمالات کے نمونے تھے''۔

(دوماہی مجلّہ زمزم غازی پور انڈیا جلد۸ شمارہ۳ صفحہ۱۵)

☆...... محمد اسماعیل سلفی صاحب نے امام محمد رحمہ اللہ کو امام بخاری وغیرہ کبار ائمہ حدیث کے ساتھ شمار کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

''ائمہ حدیث بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، ابن خزیمہ، ابن جریر طبری، ابوعبدالرحمٰن اوزاعی، ابو یوسف، محمد، یہ سب اہلحدیث کے مجتہد ہیں۔'' (تحریکِ آزادی فکر صفحہ ۴۹۰)

نیز موصوف سلفی صاحب ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

''امام محمد تو اکابر ائمہ سنت (میں سے) ہیں۔'' (ایضاً صفحہ ۸۶)

☆......عطاء اللہ حنیف صاحب غیر مقلد، امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ کو ائمہ سلف میں شمار کرتے ہیں اور یہ تصریح فرماتے ہیں کہ:

''یہ دونوں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے قابل شاگرد تھے''۔ (حاشیہ حیات حضرت امام ابوحنیفہ صفحہ ۳۲۸)

امام محمد رحمہ اللہ کی تعریف وتوثیق کے مذکورہ سارے حوالے ہم نے حافظ ظہور احمد حسینی حفظہ اللہ کی کتاب ''تلامذہ امام اعظم ابوحنیفہؒ کا محدثانہ مقام'' سے نقل کیے ہیں۔

داؤد ارشد صاحب غیر مقلد نے امام محمد رحمہ اللہ کی اگرچہ توثیق نہیں کی مگر اتنا لکھ دیا ہے کہ:

''بہر حال ہمارے نزدیک کذاب نہ تھے۔'' (تحفہ حنفیہ صفحہ ۴۴۵)

ان کی طرف سے اتنی سخاوت بھی ماشاء اللہ قابل داد ہے۔

۱۷۶ اگر یہ روایت ''معدوم ومردود'' ہے تو غیر مقلدین کو نصیب ہوئی ہے اپنے نصیب پہ وہ نازاں ہوں یا واویلا کریں یہ ان کی اپنی پسند ہے ہم نے تو اسے مخالف کے گھر کی شہادت سمجھ کر نقل کیا تھا۔

۱۷۷ علی زئی صاحب نے امام محمد رحمہ اللہ کو ضعیف قرار دینے کے لیے متعدد صفحات خرچ کیے تھے۔ حافظ ظہور احمد حسینی صاحب دام ظلہ نے علی زئی صاحب کو غیر مقلدین اور محدثین کے اصولوں کی روشنی میں جواب دے دیا ہے۔ یہ جواب ''تلامذہ امام اعظم ابوحنیفہ کا محدثانہ مقام صفحہ ۳۶۴ تا ۴۴۰'' میں پھیلا ہوا ہے۔

اسکے ساتھ ساتھ حسینی صاحب نے بہت سے محدثین اور متعدد غیر مقلدین سے امام محمد رحمہ اللہ کی تعریف و توثیق نقل کی ہے۔ حسینی صاحب کی یہ کتاب علی زئی صاحب کی زندگی میں شائع ہوگئی تھی۔

۱۷۸ ارشادالحق اثری صاحب نے توضیح الکلام میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو صحابہ کرامؓ کا مقلد لکھا، عزیز زبیدی اور محبّ اللہ شاہ راشدی صاحب نے توضیح الکلام کو اول تا آخر پڑھ کر تقریظات لکھیں، محمد علی جانباز غیر مقلد نے توضیح الکلام کو ''بے مثال'' کہا، محبّ اللہ شاہ راشدی اور خود زبیر علی زئی صاحب نے توضیح الکلام کو ''لاجواب'' کتاب قرار دیا۔ دیکھئے حاشیہ نمبر ۱۷۰۔ ان سب کی ''بے عزتی خراب'' کیوں نہیں ہوئی۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا حوالہ توضیح الکلام جلد دوم میں ہے اور یہ جلد ۱۷ فروری ۱۹۸۸ء میں شائع ہوئی ہے۔ (توضیح صفحہ ۲۷)

یعنی توضیح الکلام کی اشاعت کو ۲۶ سال ہوگئے۔ ان چھبیس سالوں میں مصنف اثری، تقریظ نگاروں، اسے بے مثال ولاجواب قرار دینے والے اور مستند و معتبر سمجھ کر پڑھنے والے غیر مقلدین کی تو ''بے عزتی خراب'' نہ ہو اور چھبیس سالوں کے بعد اگر کوئی دیوبندی اس حوالہ کو نقل کردے تو اس کی ''بے عزتی خراب'' ہو جائے، یہ فلسفہ ہماری سمجھ سے بالاتر ہے۔ علی زئی صاحب تو فوت ہو چکے ہیں کوئی اور غیر مقلد صاحب اس فلسفہ کی آسان انداز میں تشریح کر دیں تو ان کی مہربانی ہوگی۔

۱۷۹ ''بے عزتی خراب'' وغیرہ الفاظ سے علی زئی صاحب کا غصہ عیاں ہے جہاں تک ہم سمجھے ہیں ان کے غصہ کی آنے کی وجہ یہ ہے کہ توضیح الکلام میں مذکور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا اقراری مقلد ہونا کئی وجوہ سے غیر مقلدین کو ناگوار ہے مثلاً غیر مقلدین کہتے ہیں مقلد جاہل ہوتا ہے، تقلید چوتھی صدی کی پیداوار ہے، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے تقلید سے روکا ہے اور علی زئی صاحب کے بقول کسی مستند عالم نے اپنے مقلد ہونے کا اقرار نہیں کیا۔

مگر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تو مستند عالم، جلیل القدر امام، دوسری صدی کے بزرگ اور اقراری مقلد ثابت ہو رہے ہیں پھر اس پر مستزاد یہ کہ حوالہ خود غیر مقلدین کے جلیل القدر عالم ارشادالحق اثری کا اور ان کی اس کتاب کا ہے جسے علی زئی صاحب وغیرہ غیر مقلدین ''لاجواب'' قرار دیتے ہیں اس لیے غصہ کا آجانا فطری عمل ہے اور بجا ہے مگر علی زئی صاحب کو چاہیے تھا کہ وہ غصہ پر قابو رکھتے یا پھر انصاف کرتے ہوئے ''بے عزتی خراب'' ہونے کا طعنہ اپنے غیر مقلدین کو دیتے کیونکہ یہ حوالہ ان کے اپنے گھر کا ہے ہم تو محض ناقل تھے حوالہ لکھنے والے کو اعزازی القاب دینا اور وہاں سے حوالہ نقل کرنے والے کو ''بے عزتی خراب'' کا طعنہ دینا کس عدالت کا فیصلہ ہے؟ ذرا سوچئے!

☆......☆......☆......☆

مجلہ صفدر

فتنہ غامدی نمبر

ٹی وی اور میڈیا کے شہرت یافتہ متجدد، دین اسلام کے نئے ایڈیشن کے بانی
دورِ حاضر کے منکر حدیث نام نہاد دینی اسکالر آزاد خیالی کے داعی

جاوید احمد غامدی

کے گمراہ کن افکار و نظریات کا تحقیقی و علمی محاسبہ

چند اہم موضوعات

جاوید غامدی کا پس منظر	غامدی عقائد ایک نظر میں	فکر غامدی کا عمومی جائزہ
اصولِ تفسیر اور غامدی	رجم کی شرعی سزا......اور غامدی	اجماعِ امت اور غامدی
مسئلہ تکفیر اور غامدی	اسلام کا تصورِ جہاد اور غامدی	قادیانیت اور غامدیت
ناموس رسالت اور غامدی فکر	عقیدہ حیات عیسیٰ اور غامدی	حدود و تعزیرات اور غامدی
غامدی کی جدت پسندی	جاوید غامدی کی عربی دانی	قرآت قرآن اور غامدی
جاوید غامدی اور عمار ناصر	عقیدہ ظہورِ مہدی اور غامدی	حدیث غزوۂ ہند اور غامدی تحقیق

مقالہ نگار حضرات

حضرت مولانا فضل محمد مدظلہم	مولانا مفتی محمد انور اوکاڑوی مدظلہم	مولانا مفتی عبدالواحد مدظلہم
مولانا نور محمد تونسوی مدظلہم	مولانا حبیب الرحمٰن سومرو مدظلہم	مولانا منیر احمد منور مدظلہم
مولانا مفتی ابولبابہ شاہ منصور مدظلہم	مولانا مفتی عبدالقدوس ترمذی مدظلہم	مولانا محمد اعجاز مصطفیٰ مدظلہم
جناب خواجہ ابوالکلام صدیقی مدظلہم	محترم ڈاکٹر خالد جامعی صاحب	مولانا زبیر احمد صدیقی مدظلہم
مولانا عبدالحمید تونسوی مدظلہم	مولانا عبدالرحیم چاریاری مدظلہم	مولانا کمال الدین مسترشد مدظلہم
مولانا مفتی شعیب احمد مدظلہم	مولانا محمد الیاس گھمن مدظلہم	مولانا مفتی رب نواز مدظلہم

جملہ اہل علم و قلم جلد از جلد اپنے مضامین ''صفدر'' کے پتے پر ارسال فرمادیں۔ جزاکم اللہ خیرا

مضامین و مقالات موصول ہونے کی حتمی اور آخری تاریخ 15 جنوری 2015ء

15 جنوری کے بعد موصول ہونے والی کوئی تحریر شامل اشاعت نہیں ہوگی۔ ان شاء اللہ

ای میل ایڈریس khadim.khan4@yahoo.com